موجودہ اور نمائندہ

شعرائے اجمیر

مرتب:

سید فضل المتین

ناشر:

راجستھان اردو اکادمی

جے-۳ سبھاش مارگ سی-اسکیم

جے پور-۳۰۲۰۰۱

ڈاکٹر ابو الفیض عثمانی سیکریٹری راجستھان اردو
اکادمی جے پور پرنٹر پبلشر نے موڈرن پبلشنگ ہاؤس
دریا گنج نئی دہلی سے چھپوا کر دفتر راجستھان اردو اکادمی جے پور
سے شائع کیا

اَندرُونِ صفحات

پیش لفظ

راجستھان اردو اکادمی ۱۲ر فروری ۱۹۷۹ء کو بہت معمولی وسائل کے ساتھ منصۂ شہود پر آئی۔ اور غرض و غایت کو اپنے دامن میں سمیٹ کر منزل کی طرف گامزن ہوئی۔

ارباب اقتدار اور اہل علم و ادب کی سرپرستی میں اس نے ارتقائی منزلیں طے کیں اور اپنی بے بضاعتی کے باوجود ملک کی دیگر اردو اکادمیوں کے دوش بدوش اردو زبان و ادب کی ترویج، بقا اور تحفظ کے لیے مقررہ جہتوں کو اپنایا اور نئی جہتوں کی تلاش جاری رکھی۔

آج یہ اکادمی اپنے عہد کے تقاضوں اور علاقائی ضروریات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے اور تعلیمی، تدریسی، علمی اور ادبی خدمات کے اعتبار سے نمایاں کردار

ادا کر رہی ہے۔

اکادمی کی کارکردگی کا تفصیلی جائزہ یہاں بے محل ہے مگر صوبہ کے اہم اردو مراکز کے معاصر شعرا کے کلام کی ترتیب و اشاعت کا ذکر ناگزیر ہے کیونکہ زیر نظر "موجودہ اور نمائندہ شعرائے اجمیر" اسی سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔ اس انتخاب کے مجموعی تاثر سے سرزمینِ عقیدت و محبت (اجمیر شریف) کے موجودہ ادبی ماحول اور ذوقِ شعری کا اندازہ لگایا جا سکے گا اور مستقبل میں یہ اوراق پراگندہ راجستھان کے شعری ادب کی تاریخ کا جز و لاینفک بن جائیں گے۔

فاضل مرتب نے اس انتخاب پر بڑی توجہ صرف کی ہے اس لیے توقع ہے کہ یہ کاوش قدر و منزلت کی حامل ہوگی۔ ادبی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی، اکادمی کے لیے باعثِ افتخار ہوگی۔

(ڈاکٹر) ثاقب رضوی

چیئرمین

مقدمہ

اجمیر ایک ایسا شہر ہے، جو آستانۂ عالیہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی، غریب نوازؒ کے باعث مرکزِ کشش رہا ہے۔ دیگر حضرات کے ساتھ ساتھ شعرا بھی یہاں آتے رہے ہیں، بعض نے یہاں طویل عرصہ تک قیام بھی کیا ہے اور بعض اسی شہر کی زمین میں پیوندِ خاک بھی ہوئے ہیں۔ بیرونی شعرا کی آمد و رفت اور قیام کے اثرات نے یہاں کے رنگِ سخن کے مزاج اور معیار کو نکھارا اور سنوارا ہے۔

سیاسی اور تنظیمی اعتبار سے، اس شہر کا تعلق ایک زمانہ تک دہلی سے رہا ہے اور عالم میں انتخاب شہرِ دہلی نے شہرِ اجمیر کو بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں سے ہمیشہ باخبر رکھا ہے اور راجستھان کے دل شہرِ اجمیر کی ہندوستان کے دل شہرِ دہلی کی اسی مناسبت نے اس شہر کے شاعرانہ ماحول کو اہمیت دی ہے۔

اردو زبان و ادب پر گفتگو کرتے وقت اس شہر کو بلند مرتبہ عطا کرنے والے مشہور و معروف صوفی بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نوازؒ کی آمدِ ہندوستان اور قیامِ اجمیر کے اثرات کو نظرانداز کیا جاتا رہا ہے اور یہ ایک طرح سے تاریخِ زبانِ اردو کے ساتھ بددیانتی رہی ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نوازؒ جب ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر میں قیام فرمایا تو ان کا براہِ راست رشتہ عوام سے قائم ہوا اور ان کے اور عوام کے رابطہ کی زبان بلاشبہ وہی رہی ہوگی جس کی بنیادوں پر آئندہ چل کر قصرِ اردو کی تعمیر عمل میں آئی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نوازؒ کا شاعر ہونا ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ ان سے منسوب دیوان ان کا نہیں ہے۔ مگر وہ فارسی اشعار ان کے ضرور ہیں، جن کی تردید آج تک کسی بھی ذریعہ سے علم و وثوق کے ساتھ نہیں ہو سکی ہے۔ یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ صوفیا نے اکثر اشعار ہی کے ذریعہ اپنے پیغام اور اپنی تعلیم کو عام کیا ہے۔ اس لیے قیاس کہتا ہے کہ فارسی اشعار کے ساتھ حضرت خواجہ معین الدین چشتی، غریب نوازؒ نے بھی اپنے پیغام اور اپنی تعلیم کو عام کرنے کے لیے اس زبان

میں بھی ضرور اشعار کہے ہوں گے، جو ان کے اور عوام کے درمیان ایک رابطہ و تعلق کا ذریعہ رہی ہوگی ان کے دامن گرفتہ اور تربیت یافتہ ان کے ایک خلیفۂ مجاز حضرت خواجہ حمید الدین صوفیؒ، سوالی، ناگوری، عموماً ہندی میں گفتگو کرتے تھے۔ سرور الصدور میں لکھا ہے "بہ زبانِ ہندوی گفتند" اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی، غریب نوازؒ ہی کے اہم خلیفۂ مجاز اور جانشین حضرت خواجہ قطب الدین چشتیؒ بختیار کاکی اوشی کے خلیفۂ مجاز اور جانشین حضرت خواجہ فریدالدین چشتیؒ مسعود گنج شکر کا یہ ارشاد "پونوں کا چاند بالا ہوتا ہے" ہر ایک صاحبِ علم و تحقیق کو معلوم ہے۔

آج تحقیق کے ہاتھوں میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی، غریب نوازؒ کے عہد اور ان کے بعد کے قریب ترین عہد کی کوئی ایسی تحریر نہیں ہے جس کو ماخذ بنا کر اجمیر کی شاعرانہ حیثیت کے آغاز کی تاریخ لکھی جائے۔ لیکن عہد ہمایونی اور عہد اکبری کے شعرائے اجمیر کے اشعار مل جاتے ہیں۔ ایک منقبت جس کو درگاہ شریف، حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نوازؒ کی اصطلاح میں کڑکا کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

ہے تو صحیح (سہی) معین الحق بدہ سنوارا   چشتی چراغ جگ میں اُجارا

ہے تو صحیح معین الحق بدہ سنوارا

چتر چتر اون برن کیے   باون جتن ہرا جوگی اَجے پال باجا
اڑ چلو جب ہی پیر حکم کیئو   جب سر کو سنبھال کو سن اتارا

ہے تو صحیح معین الحق بدہ سنوارا

تو تھمب دنیا، دین بھیئو   ہندل ولی نور ہدیٰ جو ہدیٰ ہر دوارا
بھیئو راجہ گھیر لئین اجمیر   جب کیئو اسلام توڑا کفارا

ہے تو صحیح معین الحق بدہ سنوارا

کفر جن توڑے اسلام کیئو   جنے گرونے شان دربار باجا
اُتر، دکھن، پورب، پچھم   پیروں کی سُنی مکے آوا جا

دین کو تھمب معین الدین خواجہ

بجانِ من گیان، دین کو تھمب معین الدین خواجہ

چتر دولہا بنے خواجہ حسن داں   ایک ہی معجزہ داند تہارا

خواجہ دین کو تھمب معین الدین خواجہ

تم بڑے سلطان حضرت چشتی   بڑے تخت اور ملک تم کو ہی چھاجا
روڑا، مٹھو پر اپنا رحم کیجے   دل کا درد دور کرد خواجہ خواجہ

دین کو تھمب معین الدین خواجہ

مولنا خواجہ معنی اجمیریؒ کا ارشاد ہے:

"یہ اشعار عہد اکبری یا عہد جہانگیری کی تصنیف ہیں۔ اب تک کسی کاغذ پر درج نہیں ہوئے۔ البتہ قوالانِ درگاہ نسلاً بعد نسلاً گاتے چلے آرہے ہیں۔"

بعض الفاظ بالکل سمجھ میں نہیں آتے۔ ممکن ہے کہ اصل الفاظ کی صورتیں مسخ ہو گئی ہوں۔ اشعار کے تسلسل کا بھی کوئی اطمینان نہیں ہے۔ تاہم جو اشعار سمجھ میں آتے ہیں، وہ بالکل صاف اُردو میں ہیں۔ مثلاً:

رو ڑا، مٹھو پر اپنا رحم کیجے
دل کا درد دور کرو خواجہ خواجہ

کہتے ہیں روڑا، مٹھو، فن موسیقی میں باکمال استاد تھے۔ جن کو عہد جہانگیری میں رانا اودے پور اپنے یہاں لے گئے تھے۔

اور ایک صوفی، شاعر ابوالمعانیؒ کی ایک مکمل غزل دستیاب ہو چکی ہے " یہ عہد شاہ جہانی کے عالم اور حضرات خواجہؒ کے خدام کی جماعت کے ایک بزرگ تھے۔" اور عہد شاہ جہانی میں خدمت درس پر فائز تھے۔ دستیاب شدہ غزل مندرجہ ذیل ہے:

اے صنم تیری یاد سب سیں بھلی ... و خاموش باش ہمچو کلی
اے صنم تیری یاد کیسیں کروں ... فکر بہتر بود ز ذکر جلی
اندرونِ جگر میں رتناں کر ... ہر دم ایں کام قطب وغوث، ولی
گر تراہست، ذوق دیدارش ... جہاد دنیا و دیں بری بھلی
خاکِ درگاہ مصطفٰے کا ہو ... بعد ازاں حبّ اہل بیتِ علی
لن ترانی بگوش موسیٰ زد ... سرنگوں در فتاد ... کلی
سمجھ یہ پنتھ عشق بازی کا ... ہمچو منصور رفت بر سولی
حسن تیرے کا جب خیال کیا ... چشم مجنوں بدید رخ لیلی
جب سیں سیں ہم انام کیا ... سینہ موکھب کی ہے عشق سلی
بوالہوس ایں سخن راکے داند ... نزد احمق چہ دودھ، چھاچھ، دہی
مکھ اپنے سیں دور کر گھونگھٹ ... راز ظاہر مکن نوائے معانی

یہ غزل ایک قلمی بیاض میں تحریر ہے۔ اس کا فوٹو لے لیا گیا ہے۔

اردو کے چلن کے بعد اجمیر میں شاعری کا مذاق عام رہا ہے۔ مسلسل طرحی مشاعروں کا انعقاد اور برابر طرحی گلدستوں کی اشاعت اس کا بیّن ثبوت ہے۔ یہاں کے نامور شعرا میں مراد علی ہوشیار / بیمار، شیخ عبدالصمد کلیمؔ اور ڈپٹی امام الدین آثرؔ تلامذہ غالب صاحبِ دیوان شاعر ہوئے ہیں۔ ان تینوں شعرا کا نمونہ کلام دیکھیے:

اَشعَار : ھوشیار/بیمار

آزمایا خوب ہی دنیا کو ہم نے ھوشیار
مطلبی ملتے ہیں، کوئی باوفا ملتا نہیں

چڑھ گئے رندوں کے ڈھب پر آج حضرت شیخ جی
کھل گیا پیتھا، میاں کے زہد بے بنیاد کا

عاشقِ زار کو ہر گز نہ ستاتا ظالم
خوف کچھ بھی جو تجھے ہائے خدا کا ہوتا

اس ہستی موہوم پہ نازاں نہ ہو، ناداں
اک دم کا بھروسہ نہیں بیمار! یہاں کا

وہ مسیحا جب نہ آیا ہم تڑپ کر رہ گئے
جان دنیا تم کو اے بیمار مشکل کیا ہوا

اَشعَار : کلیمؔ

دل کسی بُت کا مبتلا نہ کرے
غم کا مُبتلا ہوں، خُدا نہ کرے

اب منحصر ہے، وعدۂ دیدار حشر پر
قاصد خوشی کا لایا ہے پیغام غم کے ساتھ

بیٹھے ہم خلوت میں شہرت ہو گئی
ہم چھپے، ظاہر کرامت ہو گئی

تعینات نے گو ایک کو ہزار کیا
موحدوں نے مگر ایک ہی شمار کیا

ہماری محفلِ دل ہے، ہمیشہ رونق پر
جو رشکِ مہر گیا، غیرتِ قمر آیا

اَشعَار : اَثر

کعبہ میں، بتکدے میں، کلیسا میں، دہر میں
تیرا پتہ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا!

نہ پائمال کرو، مل کے پاؤں میں مہندی
کسی کا خون کرے گی حنا سُنو تو سہی

اچھی صورت کے لیے چاہیے عادت اچھی
ورنہ کس کام کی اچھی سے بھی اچھی صورت

بنا بنا کے بگاڑیں گے، زلف ساری رات
وہ آ چکے، شبِ وعدہ، اگر سنگھار کیا

ان کے اقرار کے انداز کہے دیتے ہیں
اب کوئی لحظہ میں انکار ہوا چاہتا ہے

استادِ جہاں داغ دہلوی کے تلمیذ نواب عبداللہ خاں مطلب[11] کا کلام یکجا نہیں ہوا ہے۔ تاہم جس قدر بھی دستیاب ہوتا ہے، ان کی شاعری کے مرتبہ اور مقام کو متعین کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ ان کے چند اشعار دیکھیے :

زمانہ ترا مبتلا ہو رہا ہے
تجھے بھی خبر ہے کہ کیا ہو رہا ہے

باہر نہیں نکلتے ہو، کیوں دل سے غیر کر
کچھ میری آرزو، مری حسرت نہیں ہو تم!

داورِ حشر طلب کرتا ہے، اے مطلبؔ چلو
فیصلہ ان کا تمھارا، دو بدو ہو جائے گا

آپ کیا پوچھتے ہیں، ہم سے کہ تم کیسے ہو
خوش ہیں، زندہ ہیں، سلامت ہیں، دعا دیتے ہیں

دیکھیں وہ آتے ہیں یا آج اجل آتی ہے
کہہ گئے ہیں کہ نکل جائے گا ارماں کوئی

منشی محمد حسین خاک[12]، استادِ سخن سیماب اکبرآبادی[13]، زود گو شاعر ہوئے ہیں۔ کثیر حلقۂ تلامذہ رکھتے تھے۔ ان کے چند اشعار دیکھیے :

کلیسا بھی گیا، کعبہ بھی پہنچا، دیر بھی دیکھا
لیے ہر سمت مجھ کو، جستجوئے یار پھرتی ہے

سرہانے میری تربت کے وہ بیٹھے لب ہلاتے ہیں
نہیں کھلتا کہ کچھ پڑھتے ہیں یا جادو جگاتے ہیں

زباں کر لے، نوشتہ لکھ کے دے، اپنی قسم کھا لے
نہ آئے پھر بھی وعدہ پر تو اس کا کیا کرے کوئی

حیراں کیے ہوئے ہے انھیں عکسِ آئینہ
بیٹھے ہیں، آئینے کو وہ حیراں کیے ہوئے

وہ سنتے ہی نہیں، کس کو سناؤں
کہوں کس سے حکایت اپنی جا کر

اجمیر کے نامور شعرا میں خواجہ سید عبدالمعبود معینی اجمیریؒ[16] کی شاعرانہ حیثیت اور فوقیت مسلّم ہے۔ ان کی تاریخ گوئی، معمہ گوئی اور مرثیہ گوئی اور دیگر اصنافِ سخن پر ان کی قدرت، انھیں دیگر شعرائے اجمیر پر سبقت دیتی ہے۔ ان کی غزلیات کے چند اشعار دیکھیے:

لاؤں کہاں سے ذوقِ تماشا بہار میں   تم اختیار میں ہو نہ دل اختیار میں

بلائے خلق، عارض کیوں نہ ہو، زلفِ بتاں کیوں ہو   دلوں کا چور، کعبہ کیوں نہ ہو، ہندوستاں کیوں ہو

ہوا جو پردہ دوئی کا یکسو، تو مٹ گیا قصہ من و تو   سمجھ گئے اپنا تو تو آ تو پھر ہر اک سو تھیں کو پایا

اگر آپ نے یہی ٹھان لی، تھیں ہم سے کیا، ہمیں تم سے کیا
تو یہاں بھی چاہ نہیں رہی، تھیں ہم سے کیا، ہمیں تم سے کیا

طورِ سینا پہ گئے، محملِ لیلیٰ دیکھا   جو تری بزم میں دیکھا، نہ کسی جا دیکھا

ایک قطعہ تاریخ ترمیم مسجد صندل خانہ، درگاہِ معلّیٰ اجمیر شریف دیکھیے:

ساخت صافی ولے چو ایں مسجد   کہ بر دیش صفائے در ماند
ابر[17] از مصرعہ پئے تاریخ   سالِ صوری و معنوی بر خواند
ہجری اندر مدینۂ معنیٰ   عیسوی را بہ شہرِ لفظ نشاند
بہ تعجب ز فکرِ من ہاتف
الّٰہ اللہ بست مرتبہ خواند
۱۳   ھ   ۲۰

ایک معمہ بنام چشتی[18] دیکھیے:

دیدہ اش بے چلہ ایں جادو فگند   تا ز یک پیکاں دو صد آہو فگند[19]

ایک اور معمہ بنام مہر علی[20] دیکھیے:

سوخت تب دل شوق من سامانِ من   جانِ من گم گشتہ در ہجرانِ من
مہر کن بر دردِ بے درمانِ من[21]   چشم بکشا زلف بہ شکن جانِ من
بہرِ تسکینِ دل بریانِ من

حضراتِ عونؑ و محمدؑ کے مرثیہ کا ایک بند دیکھیے :

یہ کہہ کے مدحِ آلِ رسولِ الٰہ کی ۔۔۔ اور پھر مذمّت سپہِ کینہ خواہ کی
تقریر سن کے عونِ حقیقت پناہ کی ۔۔۔ غیرت سے زرد پڑ گئی رنگت سپاہ کی
حق بات سن کے ان سے جو عالی جناب تھے
جل کر حسد کی آگ میں شامی کباب تھے

اسی مرثیہ میں ایک جگہ حضرت محمدؑ کے جوابی ارشاد کو اس طرح قلمبند کیا ہے :

ایماں سے انحراف اماموں کے سامنے ۔۔۔ یہ سرکشی بلند مقاموں کے سامنے
منہ زوریاں خدا کی حساموں کے سامنے ۔۔۔ نامرد آ، تو شہ کے غلاموں کے سامنے
لوہا نہ مان جائے تو سیّد نہ جانیو
کلمہ پڑھا نہ لوں تو محمدؑ نہ جانیو

رزم کا بیان دیکھیے :

اب تیغ کی جو آمد و شد ہر گھڑی لگی ۔۔۔ جوشن پہ پڑ گئی تو نہ رکھی کڑی لگی
آڑی لگی کسی پہ کسی پر کھڑی لگی ۔۔۔ ساون کے ماہ میں بھی نہ ایسی جھڑی لگی
اک اک کا خون پیتی تھی سر کاٹ کاٹ کر
یہ چاٹ پڑ گئی تھی لہو چاٹ چاٹ کر

ایک مرثیہ میں بی بی سکینہ کا حالِ زار بیان کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے :

بابا کا راہوار ہے آوارہ کس لیے ۔۔۔ جاری ہے تن سے خون کا فوّارہ کس لیے
بیتاب ہے مرا دلِ صدپارہ کس لیے ۔۔۔ خالی پڑا ہے دیر سے گہوارہ کس لیے
کہتی ہو تم کہ نہر پہ سارے جواں گئے
اچھا مجھے بتاؤ کہ اصغر کہاں گئے

اسی مرثیہ کا یہ بند دیکھیے اہلِ بیتِ اطہار کی [illegible] کا تعارف کس کامیاب انداز سے کرایا ہے :

رہزن سمجھ رہے تھے کہ لوٹیں گے سیم و زر ۔۔۔ بیت الشرف میں پائیں گے الماس و درگہر
دوڑیں خیامِ شہ میں نگاہیں ادھر ادھر ۔۔۔ بے دین دنگ ہو گئے دیکھا جو [illegible]
ہیرے پڑے ہوئے تھے نہ موتی جڑے ہوئے
مصحف کھلے ہوئے تھے مصلّے بچھے ہوئے

ایک اور مرثیہ میں تلوار کی تعریف اس طرح کی ہے :

میرے جوہر نے [illegible] ۔۔۔ میرے پانی نے [illegible]
آب اور خون کی ہے جسم میں جولانی ایک ۔۔۔ ہے یہ وہ گھاٹ جو کرتا ہے لہو پانی ایک
سینے پھنکتے ہیں مری آب سے ہر گھاٹ میں دیکھ
آگ پانی میں نہ دیکھی ہو تو اس گھاٹ میں دیکھ

ایک واسوخت کا ایک بند دیکھیے۔ شطرنج کا تلازمہ توجہ طلب ہے :

اسپِ الفت نے وزیروں کو چلایا پیدل | بادشاہوں کے قلعے توڑ کے کردی ہلچل
بے بساطی نے دیا چھین کے خانے جنگل | رُخ ہوئے پیلے، گئے نقشے ہر اک شے کے بدل

رات دن کی طرح گردش اسے دن رات ہوئی
قائم انداز بھی تمام نہ رہے مات ہوئی

مولانا خواجہ معینی اجمیری (قلمی بیاض برائے کلام مولانا معینی) میں تحریر فرماتے ہیں :

"۔ ۔ ۔ عربی قصیدہ 'العزم الثابت وتاثیرہ' کے عنوان سے مصر کے مشہور اخبار 'المؤید' میں شائع ہوا تھا۔ مولانا معینی مرحوم نے اس قصیدے سے اقتباس کر کے ۔ ۔ ۔ اردو نظم لکھی۔ عربی اور اردو دونوں نظمیں اپنے اخبار ہفتہ دار 'المعین' میں ۔ ۔ ۔ چھپوائیں تھے"

پہلے شعر معہ اردو ترجمہ دیکھیے :

تذل الحرب شجعان الرجال | کیا ہے بیل تنوں کو لڑائی نے بدنام
وتلجئهم الی ترکِ القتال | ذلیل کر کے یہ کہتی ہے چھوڑ دو یہ کام

بہت سے سہرے کہے۔ نواب فصیح جنگ (معتمد مال گزاری) کے فرزند کی شادی کے موقعہ پر کہے گئے سہرے کا مطلع دیکھیے :

کہہ رہا ہے سرِ محفل ترے رخ پر سہرا | آج ہے قربِ وحضوری کا ترے سر سہرا

ستیدنا امام زین العابدینؑ کے کلام کی تضمین دیکھیے۔ (پہلا بند)

سادات کے کنبہ میں جب باقی رہا صرف ایک دم | اور پابجولاں لے چلے بیمار کو اہلِ ستم
گویا تھے عابدؑ زیرِ لب اور تھا سرِ تسلیم خم | اِن نِلتَ یَا رِیحَ الصَّبَا یَوماً اِلیٰ أَرضِ الحَرَمْ

بَلِّغْ سَلَامِی رَوضَۃً فِیہَا النَّبِیُّ المُحتَرَمْ

قوالوں کی فرمائش پر ٹھمریاں کہیں۔ ایک ٹھمری کا آغاز دیکھیے :

چلوری خواجہ فخر کے دوار | جہاں چشت کو دار مدار
وحدت کا واں رنگ مچو ہے | پریم کی برست پھوار

چلوری

قصائد بھی تحریر فرمائے۔ ایک قصیدہ کا مطلع دیکھیے :

بہار آمد و ما دور تر ز صحنِ چمن | نہ روئے رفتنِ گلشن، نہ پائے درماندن

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی شان میں ایک کامیاب قصیدہ کہا۔ مطلع دیکھیے

چو از عرشِ بریں، بر فرشِ خاکی بو تراب آمد — زعرش آوازۂ یالیتنی کنت تراب آمد

مشہور مناجات حضرت خواجہ عبداللہ انصاری قدس سرہ کا منظوم ترجمہ نہایت برجستہ تحریر کیا۔ چند اشعار دیکھیے:

معذرت پر مری نظر فرما — میرے عیبوں سے درگزر فرما
عمر لہو و لعب میں کی برباد — میں نے کی تن پہ نت نئی بیداد
ہے برابر مرا وجود و عدم — تو بدل دے خوشی سے میرا غم
ڈھونڈتے ہیں تو بس رضا تیری — گفتگو ہے تو بس ثنا تیری

حضرت معینی اجمیری نے قریب قریب تمام ہی اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان کا کلام نعت و منقبت، بہت خوب ہے۔ اکثر محافلِ سماع میں سننے میں آجاتا ہے۔

شعرائے اجمیر میں مولانا خواجہ معینی اجمیریؒ کی شاعری آپ اپنی مثال ہے۔ تمام ہی اصنافِ سخن پر انہیں عبور حاصل رہا ہے۔ شعرائے اجمیر پر گفتگو کرتے وقت ان کی شاعری پر تفصیل سے بات کرنا نہایت ضروری ہے۔ ان کی غزلیات کے ایسے اشعار تحریر کرتا ہوں جو ان کی شاعری کا تعارف بھی ہیں اور اجمیر کے ادبی حلقوں میں زبان زدِ خاص و عام رہے ہیں:

حسن کی معصومیت نے عمر بھر طعنے دیے — جب سے اے معینی گنہگارِ محبت دل ہوا

دل ہے اور ان کی نگاہِ التفات — آج لٹ جائے گی، ساری کائنات

کسی کے جلوے تو بے باک ہو کے بھی معصوم — مری نگاہ پہ تہمت لگائی جاتی ہے!

حیا نے رکھ لیا پردہ کچھ ان کی شوخی کا — وہ مسکرائے کچھ ایسے کہ مسکرا نہ سکے

وہ حسن بے پناہ، نہیں جلوہ گر کہاں — لیکن جو باریاب ہو، ایسی نظر کہاں

سناؤں؟ سنو گے؟ تمہیں سن سکو گے! — یہ رودادِ دل ہے، کہانی نہیں ہے

دیکھا، جو بجلیوں کو مچلتے ہوئے تو ہم — خود آشیاں کو آگ لگا کر چلے گئے

ترے تیر کو رکھ لیا ہم نے دل میں — گھر آئے کی خاطر مدارات کر لی

رہِ طلب میں، کسی راہرو کو ملتا ہے ۔۔۔ کبھی کبھی، کوئی نقشِ قدم، نشاں کے لیے

اُدھر وہ رنگ کہ بینش فروزِ ہر جلوہ ۔۔۔ اِدھر یہ حال کہ کچھ بھی نظر نہیں آتا

ہے جرمِ عشق مسلّم۔ ہے شانِ حسن گواہ ۔۔۔ کہ پاکباز ہوں، پھر بھی گناہگار ہوں میں

بے نیازی، وہ بھی ہم سے اور اتنی مستقل ۔۔۔ توبہ توبہ، اب تو بندے بھی خدا ہونے لگے

خلوت آرا، جب تصوّر میں تجھے پاتا ہوں میں ۔۔۔ سرحدِ ادراک سے آگے نکل جاتا ہوں میں

ہوئیں یوں تو اس سے پردے میں ہزار باتیں ۔۔۔ کبھی خود، دوچار ہو کر، نہ کیں اس نے چار باتیں

تجلّی و نظّارہ، ناکام دونوں ۔۔۔ حجابات، کچھ درمیاں اور بھی ہیں

ہو نہ سکا، جہان میں کوئی حریفِ روئے یار ۔۔۔ چاند میں رنگ و بو نہیں پھول میں روشنی نہیں

تجلّی عام اور نظّارہ مشکل ۔۔۔ نہ گم ہے وہ نہ پایا جا رہا ہے

اے برقِ جلوہ تو نے پھونکا ہے اس چمن کو ۔۔۔ ہر ذرّہ خاکِ دل کا اب آفتاب ہوگا

زمین و آسماں ہٹ جائیں اپنے مرکز سے ۔۔۔ کہ عزمِ لامکاں ہے اور غبارِ ناتواں اپنا

بھنور میں تھی جو کشتی نذرِ طوفاں ہو گئی شاید ۔۔۔ وگرنہ اتنی خاموشی، لبِ ساحل نہیں ہوتی

یاد رکھے گا مجھے سارا زمانہ حشر تک ۔۔۔ میں ز سر تا پا حدیثِ عشق کا افسانہ ہوں

بار نہ پا سکا کوئی۔ اس کے حریمِ ناز میں ۔۔۔ عمر تمام ہو گئی، رہگزرِ نیاز میں

شمع میں تجھ سے روشنی، پھول میں تجھ سے تازگی ۔۔۔ جلوہ فگن ہے تو ہی تو عالمِ سوز و ساز میں

سزائے دار، ضربِ تیشۂ غم! کوئی حصہ نہیں ہر آدمی کا

کسی دن کھینچ لائے گا، انھیں زعمِ مسیحائی نہ دیکھیں گے وہ کب تک حالتِ بیمار دیکھیں گے

کیا کیجے عرضِ شوق! کہ چپ کر دیا مجھے دیکھیں ستم ظریف کی حاضر جوابیاں

وصلِ معرفت کیا ہے؟ جستجو میں گم ہونا مِل گیا نشاں ان کا، جب مٹا نشاں اپنا

جو لفظ ہے، پیغامِ حیاتِ ابدی ہے ان کے لبِ جاں بخش کا اعجاز تو دیکھو

ہے عجز ہی معراجِ رہِ عشق میں معنی جو خاک نشیں ہے، وہی سجادہ نشیں ہے

حضورِ حسن، محبت کی داستانِ طویل تمام عمر سُنائی، مگر سُنا نہ سکے

یہ عشق اور یہ تلون مزاجیاں معنی کسی سے جم کے گھڑی بھر بھی دل لگا نہ سکے

جگر مرادآبادی سے تعارف اور قربت کا سبب ایک غزل ہی ہوئی۔ مطلع یہ ہے[۲۴]:

دلِ زار و طور کے درمیاں ہے عجب کشاکشِ ہم سری
وہ خرابِ جلوۂ ایمنی، یہ ہلاکِ غمزۂ کافری

مولانا خواجہ معنی اجمیری نے غزلیں زیادہ کہیں اور نظمیں بہت کم[۲۵] مگر جو بھی نظم کہی، اپنے موضوع کے اعتبار سے خوب کہی۔ ایک نظم "ساحلِ بمبئی پر ——— محویتِ خیال" اور ایک نظم "مہمانِ چمن"[۲۶] اپنی تاثراتی کیفیت اور منظر کشی کے اعتبار سے، دیگر نظموں کے مقابلہ میں ایک انفرادی حیثیت رکھتی ہیں۔

ایک نظم "شجر و سایہ" کا مکالماتی اندازِ بیان اور باہمی تقابل لاجواب ہے۔ ایک نظم "جھوٹا سب سنسار" بہت مقبول ہوئی۔ ایک بند دیکھیے:

سورج، چاند، ستارے، جھوٹے یہ روشن نظارے جھوٹے
ثابت اور سیارے جھوٹے القصہ ہیں سارے جھوٹے
جھوٹا سب سنسار ہے مولا جھوٹا سب سنسار

ایک اور مشہور و مقبول نظم ہے 'اجمیر بہت یاد آتا ہے' ایک بند دیکھیے :

جب سورج آنکھ چرا تا ہے — جب رنگِ شفق مرجھا تا ہے
جب سناٹا چھا جا تا ہے — جب شام کو جی گھبرا تا ہے
اجمیر بہت یاد آتا ہے
اجمیر بہت یاد آتا ہے

علاقۂ محروسۂ سرکار عالی، نظام حیدر آباد کے لیے ایک ترانہ کہا، 'سب سے پیارا دیس ہمارا' ایک بند دیکھیے :

شہر ہے کیسا پیارا پیارا — ایک چمن ہے بلدہ سارا
دیکھو یہ دلچسپ نظارا — "مکہ مسجد" — "چار مینارا"
سب سے پیارا دیس ہمارا
سب سے پیارا دیس ہمارا

ایک اور 'ترانہ' کا ایک شعر دیکھیے :

ہم اپنے وطن کی دھرتی کا یوں روپ سنگار بڑھائیں گے
آکاش کے اُتم آنچل سے ہم تارے توڑ کے لائیں گے !

جشنِ جمہوریت پر ایک گیت لکھا۔ ایک شعر دیکھیے :

دیس اپنا، راج اپنا، اور اب کیا چاہیے — خدمتِ ملک و وطن مِل جل کے کرنا چاہیے

فرمائشوں پر بہت سے سہرے کہے۔ ایک سہرے کا ایک شعر دیکھیے :

دلوں کا چور ہے، دیر و حرم کا راہزن سہرا — اگر ایمانِ مومن ہے تو کفرِ برہمن سہرا

دو رباعیاں دیکھیے۔ یہ اپنا ایک خاص پس منظر رکھتی ہیں :

اس عشق میں راحتیں نہ ہرگز پائیں — وہ سنگِ الم کی دل پہ چوٹیں کھائیں
دل سے جاتا رہا نہ آنے کا گلہ — معنی جو سُنا کہ ان کی آنکھیں آئیں

ملبوس محرّم میں ہے دھانی ان کا — لو سبز ہوا نخلِ جوانی ان کا
نکلا سرِ شاخِ سبز گویا گلِ سُرخ — دیکھے کوئی روئے ارغوانی ان کا

بہت سے معمّے کہے۔ تین معمّے دیکھیے :

سرِ عشق تو دارد با دلِ زار — شد افشا درمیانِ خلق ایں راز
بپایت فرقِ خود بنہاد معنی — بنامت گشت در عالم سرفراز

چشمِ یار و قدِ یار و زلفِ یار ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ در دہانِ یار نامِ او برار

چہ نام است، نامِ تو اے جانِ جاں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ تجلّی نمود، از کتابِ کریم
چو بنگر یستم من بہ عین الیقیں ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ شد الفا مرا ز الف، لام، میم

اردو، فارسی اور عربی میں تاریخیں کہنے کا مولانا خواجہ معنی اجمیری کو خاص ملکہ تھا۔ قرآنی آیات سے بھی لوحِ مزار کے لیے تاریخیں نکالیں، بے شمار قطعات کہے۔ چند دیکھیے :

اجمیر کے مشہور اہلِ زبان شاعر کامل اجمیری کی وفات پر کہا :

اللہ یحیی و یمیت والیہ ترجعون

۱۳ ‏ ‏ ‏ ‏ ھ ‏ ‏ ‏ ‏ ۵۱

درگاہِ معلیٰ کے متولی کی وفات پر کہا :

برّد اللہ قبرہ واجعل الجنۃ مقامہ

۱۳ ‏ ‏ ‏ ‏ ھ ‏ ‏ ‏ ‏ ۵۹

میر نثار احمد صاحب اطاب اللہ ثراہ

۱۹ ‏ ‏ ‏ ‏ ء ‏ ‏ ‏ ‏ ۴۰

ان کی جگہ ان کے لڑکے متولی درگاہ مقرر ہوئے تو کہا :

جنابِ میر اسرار احمد متولی درگہِ معلیٰ اجمیر

۱۹ ‏ ‏ ‏ ‏ ء ‏ ‏ ‏ ‏ ۴۰

نظامِ دکن میر عثمان علی خاں کی والدہ کے انتقال کی تاریخ کہی :

ام سلطان دخلت الجنان

۱۳ ‏ ‏ ‏ ‏ ھ ‏ ‏ ‏ ‏ ٦۰

نواب رسول یار جنگ کے لوحِ مزار کے لیے کہا :

مدفن نواب رسول یار جنگ ابن حکیم الحکماء نواب محی الدولہ سادس

۱۳ ‏ ‏ ‏ ‏ ھ ‏ ‏ ‏ ‏ ٦۲

——— ناظم امورِ مذہبی نواب دین یار جنگ بہادر کے شریک عہدۂ معتمدی کی تاریخ کلامِ الٰہی سے نکالی :

کذالک نجزی المحسنین انہ من عبادنا

۱۳ ‏ ‏ ‏ ‏ ھ ‏ ‏ ‏ ‏ ٦۲

(ترجمہ : ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، بے شک وہ ہمارے بندوں میں سے ہیں) پارہ (۲۳) سورۂ

وُلقَفَت ء

اجمیر میرواڑہ کے مشہور ڈی۔ایس۔پی خان بہادر سید ممتاز حسین کے والد کی وفات پر لوحِ مزار کی تاریخ نکالی اور قطعہ تاریخ کہا :

میر امداد حسین اعلی اللہ مقامہٗ نور اللہ مرقدہٗ

۱۳ ھ ۶۲

شب شنبہ، ذوالحجہ در ہشیردہ — سفر کرد، زیں عالم ماؤطین
ندا داد ہاتف، بہ معنی زغیب — محبّ علیؑ شد بخلدِ بریں

۱۳ ھ ۶۲

خان صاحب صاحبزادہ میر محمد حسین چشتی کی اہلیہ کے لوحِ مزار کے لیے تاریخیں نکالیں :

اَلْمغفُورَہٗ — اور : دَخَلَتْ دَارالاَمَانْ

۱۳ ھ ۶۲ — ۱۳ ھ ۶۲

میر اوصاف علی وارثی کی وفات پر کہے گئے قطعہ کا آخری شعر ہے :

چوں بہ حق پیوست سال فوت شد — میر اوصاف علی وارثی

۱۳ ھ ۶۳

نواب صادق جنگ کے خواہر زادے کی لوح مزار کے لیے تاریخ نکالی :

قطب الدین خاں حسن میاں مرحوم

۱۳ ھ ۷۰

اپنی پہلی اہلیہ کی وفات پر لوحِ مزار کی تاریخ نکالی :

واحدہ خاتون اجمیری

۱۳ ھ ۴۵

مشہور حکیم اور سیاسی رہنما اجمل خاں کی وفات پر چودہ اشعار کا قطعہ کہا اور عنوان رکھا :

آہ مجمع البرکات مسیح الملک مرحوم

۱۳ ھ ۴۶

اپنے ایک شاگرد کے قطعہ کے جواب میں سولہ اشعار کا قطعہ کہا۔ عنوان کہا :

جواب قطعہ صاحبزادہ بلند اقبال ضیاء

۱۳ ھ ۴۵

مشہور عالم دین مولانا عبدالماجد بدایونی کی وفات پر سترہ اشعار کا قطعہ کہا۔ لوحِ مزار کی تاریخیں نکالیں :

مولانا عبدالماجد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ

۱۳ ھ ۵۰

ان ہی کے لیے پندرہ اشعار کا ایک اور قطعہ کہا۔ آخری مصرع سے تاریخ نکالی:

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْ عَبْدِ الْمَاجِدْ

۱۳۵۰ھ

مولانا حسرت موہانی کی وفات پر سات اشعار کا قطعہ کہا۔ آخری شعر ہے:

سالِ وفاتش مضطر بگفتم — جنت مکانی مولانا حسرت

۱۳۷۰ھ

ایک اور آٹھ اشعار کا قطعہ کہا۔ آخری شعر ہے:

بتاریخ از سرِ اخلاص مضطر
بگو۔ جنت مکاں مولانا حسرت

۱۳۷۰ھ

اجمیر کے پختہ گو اور مشاق شاعر کی وفات پر قطعہ کہا:

از طفیل خواجہ در جنت رسید — چوں امین الدین خاں مفتوں گزشت
بود مضطر فکرِ تاریخِ وفات — گفت ہاتف از جہاں مفتوں گزشت

۱۳۷۰ھ

حافظ عبدالحی رعنا نے ٹونک ریاست کے سرکاری توشہ خانہ کے "خربوزے" جب تحفتاً لاکر دیے تو آٹھ اشعار کا قطعہ کہا۔ آخری شعر ہے:

مضطر اس کا سن یہ کہہ دو
ٹونک کے خربوزے اب کھائے

۱۳۷۰ھ

شہزادۂ برار، ولی عہد نظام دکن کی شادی پر پندرہ اشعار کا قطعہ کہا۔ آخری شعر ہے:

سروشِ غیب از شادی بگفتا سالِ تاریخش — بعقدِ شاہزادہ نیک دُرِ شاہوار آمد

۱۳۵۱ف

ایک اور قطعہ پانچ اشعار کا کہا۔ آخری شعر ہے:

سروشِ غیب اے مضطر بگفتا از سرِ بہجت — دُرِّ شہوار در عقدِ ولی عہدِ دکن آمد

۱۳۵۴ھ

۱۳۵۰ھ

محمد احسان الرحمن قدوائی کے لوحِ مزار کے لیے تاریخ کہی:

محمد احسان الرحمن رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۰۰

اپنے برادرِ خورد سید فضل الباری[۲۹] کی وفات پر جو خط تحریر کیا تھا۔ اس کی طباعت کے وقت اس کا سرِورق اس طرح ترتیب دیا :

حامداً اللہ

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

۱۹ ۶ ۴۰

مکتوب معنی

جو
بھائی کی وفات پر بہن کو لکھا گیا

۱۳ ھ ۵۹

کاتبہٗ

عبدالباری معنی اجمیری

بقلمہٖ

۱۳ ھ ۵۹

منظوم خطوط بھی لکھے اور بعض دفعہ کسی کی منظوم تحریر کے ذریعہ سرزنش بھی کی ہے۔ اللہ بخش ضیا پشاوری کے نام کہا گیا قطعہ اپنی روانی اور برجستگی کے اعتبار سے بہت خوب ہے۔ یہ قطعہ ایک مکتوب کے انداز میں کہا گیا ہے۔ پہلا شعر ہے :

تم ابھی نادان ہو، بچے ہو، کم سن ہو ضیا
تم ابھی کیا جانو، فنِ شعر اور طرزِ خطاب

منظوم خطوط میں وہ خط اہم ہے، جو ماہنامہ آستانہ دہلی میں طبع ہوا اور مولانا خواجہ معنی اجمیری کے استادِ محترم مولانا صبغت اللہ شہید انصاری فرنگی محلی کے اس منظوم خط کا جواب ہے۔ جو انھوں نے حج کے لیے جاتے وقت لکھا تھا۔ اس خط کا اندازِ تخاطب دیکھیے :

بندۂ خاصِ قادرِ قیوم — گوہرِ شاہوارِ بحرِ علوم
گلِ خوشبوئے گلشنِ علما — نازشِ خانوادۂ فضلا
یعنی استاذنا و اُدلنا — عالمِ باکمال مولانا
صبغت اللہ شہید انصاری — دائماً عم فیضک الجاری
عرض پرداز ہوں بصد تعظیم — بعد از آداب و بعد از تسلیم
پرسوں مکتوب مکرمت آیا — مژدۂ جاں نواز یہ لایا

اعزا داریں شہدائے کربلا اور مرثیہ خواں حضرات کی فرمائش پر مراثی بھی لکھے، اکثر مجالس محرم میں پڑھے جاتے ہیں۔ برجستگی، زورِ بیان، قوتِ مشاہدہ اور اظہارِ واقعات کے اعتبار سے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

حضرت علی اکبرؓ کے مرثیہ کا ایک بند ہے۔ تصویر کشی کا انداز دیکھیے :

نبیؐ کی تصویر ہے سراپا، یہ نازِ پروردۂ رسالت
وہی ہے نقشہ، وہی ہے چہرہ، وہی ہیں اعضا، وہی ہے قامت
وہی تکلم، وہی تبسم، وہی اشارت، وہی کنایت
نبیؐ کو دیکھا نہ ہو کسی نے تو دیکھ لے آج اس کی صورت
حسینؑ ابنِ علیؑ کی آنکھوں کا نور گویا یہی جواں ہے
علیؑ مشکل کشا کے دل کا سرور گویا یہی جواں ہے

امام حسین علیہ السلام کے مرثیہ کا پہلا بند دیکھیے :

دیباچۂ صحیفۂ عظمت حسینؑ ہے — سرنامۂ کتابِ فضیلت حسینؑ ہے
سرچشمۂ عزیمت و سطوت حسینؑ ہے — نقشِ جبینِ دفترِ عزت حسینؑ ہے
اللہ رے مرتبہ شہِ عالی مقام کا
کونین میں ہے سکہ رواں ان کے نام کا

امام حسینؑ کا ایک اور مرثیہ ہے۔ امام اپنی بہن زینبؓ سے مخاطب ہیں۔ تلقین اور تعلیم کا دل میں اتر جانے والا انداز دیکھیے :

دیکھا خواہر کو جب فتادہ بہ خاک — شاہ بولے بدیدۂ نمناک
اے رسولِ خدا کی عترتِ پاک — ہٰذا قلبی لدیک روحی فداک
اے بہن یہ رضا کی منزل ہے
جنگ ما بینِ حق و باطل ہے

اور حضرت زینبؓ کا اندازِ تخاطب دیکھیے :

اے چراغِ حریمِ مصطفوی — عظمتِ خانوادۂ نبوی
سیدِ دودمانِ مرتضوی — خاصۂ بارگاہِ ربِّ قوی
اے جگر گوشۂ علیؑ و بتولؓ
آپ ہیں زندہ یادگارِ رسول

ایک مرثیہ جو بعد شہادت امام کے واقعات کو موضوع بنا کر تحریر کیا گیا ہے —— صورتِ حال کی منظر کشی دیکھیے :

قیامت کا منظر نظر آ رہا ہے — لٹا سب چمن ہائے اب کیا رہا ہے
ہر اک پھول سا جسم کمھلا رہا ہے — ہوا کھا کے جنگل کی مرجھا رہا ہے

ہے گرمی کی رُت دوپہر ڈھل رہی ہے
فلک تپ رہا ہے، زمیں جل رہی ہے

شہیدوں کے مقتل میں لاشے پڑے ہیں ۔۔۔ کہ فرشِ زمیں پر نگینے جڑے ہیں
یہ وہ ہیں جو راہِ خدا میں لڑے ہیں ۔۔۔ خدا کے یہاں ان کے رتبے بڑے ہیں
ملا ہے بڑا مرتبہ آج ان کو
کہ نیزوں پہ حاصل ہے معراج ان کو

شہدائے کربلا کے علاوہ دیگر حضرات کے بھی مراثی تحریر کیے ہیں، اپنے استاد امام الہند حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا مولانا خواجہ معنی اجمیری نے جو مرثیہ کہا ہے اور طبع ہو چکا ہے۔ وہ چند در چند خصوصیات کے باعث نہایت ہی اہم ہے۔ اس مرثیہ کا کس قدر برجستہ تاریخی عنوان کہا ہے۔ مرثیہ امام ہند مولانا عبدالباری (۱۳۴۴ھ) اس مرثیہ کا اس تاریخی ذیلی عنوان: موت و حیات جبیست (۱۳۴۴ھ) کے تحت اس طرح آغاز کرتے ہیں:

زندگی کیا ہے؟ نشاطِ عالمِ اسباب ہے ۔۔۔ موت کیا ہے؟ راحتِ جانِ دلِ بیتاب ہے
زندگی کیا ہے؟ تماشائے خیال و خواب ہے ۔۔۔ موت کیا ہے؟ نشۂ جامِ شرابِ ناب ہے
زندگی ارشادِ "کُن" کی صورتِ تعمیل ہے
موت انسانیت، انسان کی تکمیل ہے

اس مرثیہ کا خاتمہ بھی نہایت برجستہ تاریخ پر ہوا ہے۔ ختم شُد (۱۳۴۴ھ)

مولانا خواجہ معنی اجمیری نے مثنوی بھی کہی اور قصیدہ بھی لکھا۔ خاص طور پر مشہور نعتیہ قصیدے بردہ شریف کا ترجمہ اہم ہے اور مثنویوں میں عالمِ فخری کے رنگین مشاغل کے نام جو مثنوی معنون کی ہے، اس کی اہمیت ہے۔ نعت، سلام اور منقبت کہنے کا ایک خاص انداز تھا۔ میں نے کلام نعت اور کلام منقبت کے علیحدہ علیحدہ مجموعے ترتیب دے کر شائع کر دیے ہیں۔ ایک سلام، جو ماہِ محرم شریف میں درگاہ شریف میں خصوصی طور پر اور مجالس میں بار بار پڑھا جاتا ہے اور کئی بار طبع ہو چکا ہے۔ بہت ہی پُر تاثیر اور مقبول ہے۔ اس کا پہلا بند ہے:

اے امامِ دین و دنیا اے حسینؑ! ۔۔۔ اے فروغِ مشرقین و مغربین
یادگارِ عظمتِ بدر و حُنین! ۔۔۔ امتِ اسلامیہ کے نورِ عین
اے محمدؐ کے جگر پارے سلام
اے علیؑ کی آنکھ کے تارے سلام

بندگی اے فاطمہؓ کے لاڈلے
اے حسینؓ کو جان سے پیارے سلام

غرض یہ کہ مولانا خواجہ معنی اجمیری ہر صنفِ سخن کے مردِ میدان رہے ہیں۔ مولانا عبدالباری معنی اجمیری ——— حیات اور کارنامے" پر تحقیقی کام ہو چکا ہے۔ ۱۹۸۳ء میں ڈگری مل چکی ہے۔ ان پر مختلف انداز سے لکھے جانے کا سلسلہ جاری ہے۔ ابھی تک شاعری پر کوئی تفصیلی مضمون نہیں لکھا گیا ہے۔ اسی لیے کسی قدر تفصیل سے نمونۂ کلام دینا ناگزیر تھا۔

اجمیر کی تاریخ شعر و ادب پر جس کی بھی نگاہ ہے۔ وہ یہ بات بلا خوف تردید کہے گا کہ اس شہر کے شعر و ادب کا زرّیں دور ——— مولانا خواجہ معنی اجمیری ہی کا عہد تھا اور یہ زمانہ ہمارے عہد کے پیش رو شعرا سے پیشتر کا زمانہ ہے۔ اور اس انتخاب کلام میں بھی ایسے شعرا کی تعداد زیادہ ہی ہے، جو کسی نہ کسی صورت سے مولانا خواجہ معنی اجمیری کے قریب رہے ہیں یا ان سے کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ رہے ہیں۔

مولانا خواجہ معنی اجمیریؒ کے ذکر کے ساتھ ہی ان کے معاصر اجمیر کے ایک اور ادیب شہیر ——— رفیعی اجمیری کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ اجمیر کے اس اہلِ قلم کی ادبی، صحافی، زندگی اور انشا پردازی اور افسانہ نگاری کی طرح اس کی شاعری بھی شعرائے اجمیر میں نمایاں حیثیت اور مقام رکھتی ہے۔ رفیعی اجمیری نے نہ صرف غزل ہی نظم لکھی بلکہ منظوم ڈرامے تحریر کیے۔ رفیعی اجمیری کو غزل سے زیادہ نظم میں کامیابی ملی۔ نظم نگاری کا ایک خاص انداز تھا۔ رفیعی اجمیری کی بعض نظمیں دیکھیے:

پردیسی سیاں

محبت کی سُنی تھی داستانِ خونچکاں میں نے
سُنا تھا پیت میں دُکھ جھیلنا مقسوم ہوتا ہے
اور الفت میں بھی سب سے سخت پردیسی کی الفت ہے
کہ رمتے جوگیوں کا کب پتہ معلوم ہوتا ہے

پر اس پر بھی مرا دل چاہ کا اظہار کر بیٹھا
بغیر اندیشۂ انجام تم کو پیار کر بیٹھا

تم آئے اور مرے من کے نگر میں ڈال دی ہلچل
نہ تھی زیبا تمھیں یہ بات من کے ساتھ منموہن
اور اب سدھ بھی نہیں لیتے ہو، شاید مدعا یہ ہے
بروگن بن کے یعنی ڈھونڈتی تم کو پھروں بن بن

کریں گے لوگ چرچا، بس اسی سے جی دھڑکتا ہے
پریتم! ورنہ تم بن خود ہی میرا دل پھڑکتا ہے

بس اب تو میں ہوں اور دم گھونٹنے والی کٹھن گھڑیاں
کسک، ٹیسیں اور سوزش بھی ہیں، بس غمخوارِ تنہائی
الٰہی ہجر میں کیونکر مرے جی کو قرار آئے
زلیخا کی طرح مجھ کو بھی یہ الفت نہ راس آئی

تمھارا دھیان کرتی ہوں، تمھارا نام لیتی ہوں
سوا جب درد ہوتا ہے، کلیجہ تھام لیتی ہوں

تقاضائے شباب

نئی یہ دل میں خلش ریزِ جستجو کیا ہے — نئی یہ سینہ میں بیدار آرزو کیا ہے
خیال دل میں وہ ہے جو نہ تھا کبھی پہلے — الٰہی یہ خفقان تو نہ تھا کبھی پہلے
یہ جی کو کیا ہوا، اُکتا گیا جو صحبت سے — یہ اُنس کیوں مجھے اب بڑھ چلا ہے خلوت سے
گزار دیتی ہوں دن رات کیوں میں خوابوں میں — میں گھر کے رہ گئی "اللہ" کن خیالوں میں
سہیلیوں میں، کتابوں میں جی نہیں لگتا! — کہانیوں میں، مثالوں میں جی نہیں لگتا
مجھے تلاش ہے اب ایک ایسی ہستی کی — کہ جس سے پاؤں میں تسکین خود پرستی کی!
کسی کی آنکھ کی تخئیلِ دلبری بن جاؤں — کسی کے خوابِ محبت کی میں پری بن جاؤں
وہ غیر شخص ہو پر غیریت کوئی نہ رہے — وہ اجنبی مرا پھر مجھ سے اجنبی نہ رہے
کوئی، جو جیت لے دم بھر میں میری ہستی کو — کوئی، جو پیار کرے میری خود پرستی کو
کوئی، جو لوٹ لے صبر و سکون و ضبط و قرار — کوئی، جو دل میں سما جائے آنکھ ہوتے ہی چار

سمجھ سکے مرے دل کی زبان "وہ کوئی"
رموزِ عشق کا ہو رازدان "وہ کوئی"

چھیڑ ـــــ نظم

(لمحاتِ خلوت کا ایک آوارہ لمحہ)

لجا کر، کچھ سمٹ کر، ننھی سی گردن کو موڑا کر — کہی تھی رُکتے رُکتے، یاد ہے، کیا بات شرما کر
وفا کا ذکر تھا، کچھ زہد کا، کچھ درد فرقت کا

تمھاری اس ادا کا، اس ادا ہی کا تصور تھا — تمھاری اس وفا کا، اس وفا ہی کا تصور تھا
کہ دل میں رہ گیا پیوست ہو کر تیر چاہت کا

دگر نہ مجھ کو اُلفت سے معاذ اللہ کیا نسبت — عرب کے ایک رسوا عامری سے واہ کیا نسبت
مری فطرت میں عنصر ہی نہیں عشق و محبت کا

یہ سچی بات ہے دیکھا کرو شاکی نگاہوں سے — خدا محفوظ رکھے ان قیامت خیز آنکھوں سے
مجھے بیٹھے بٹھائے کر دیا بیمار الفت کا

رفیعی اجمیری کا کلام، معیاری اُردو رسائل میں طبع ہوتا رہا منتشر ہے۔ یکجا نہیں ہوا۔ غیر مطبوعہ کلام ضائع ہو گیا۔ نوجوانی میں رفیعی رخصت ہو گئے۔ اور انتقال سے کچھ دن پہلے انھوں نے اُردو میں تقریباً لکھنا ترک کر دیا تھا۔ انگریزی میں لکھنے لگے تھے۔ اجمیر کا نام روشن کرنے والے اس نوجوان ادیب نے اجمیر سے ایک نہایت معیاری رسالہ کیف بھی جاری کیا تھا ——— رفیعی اجمیری کے لیے مدیر سروش ——— حیرت کی یہ عبارت دیکھیے جو انھوں نے اداریہ میں تحریر کی تھی:

”مولانا رفیعی اجمیری عصرِ حاضر کے ممتاز ترین ادیبوں میں سے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ چمن زارِ اُردو کی آبیاری ایسے ہی قابل قدر نوجوانوں کے ہاتھوں گلہائے زنگارنگ کھلا رہی ہے۔ آپ نظم و نثر دونوں میدانوں کے لطیف ترین شہسوار ہیں، آپ کی نظمیں جہاں کیف ساماںیوں کے حسین و جمیل نقش و نگار سے معمور ہوتی ہیں۔ وہاں آپ کے افسانوں میں بھی سرور افزا رنگینی ہوتی ہے۔ اور ناظرین صحائف ادبیہ کی مشتاقانہ نگاہیں، سب سے پہلے جس چیز کی متلاشی ہوتی ہیں وہ رفیعی کا افسانہ ہے۔

ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا“[۱۳]

ساغر نظامی (ایشیا۔ مکاتیب نمبر) موسومہ بہ نگار نامہ (روحِ مکاتیب کا دوسرا حصہ) میں رفیعی اجمیری کے مکاتیب بنام ساغر نظامی سے پہلے تحریر کرتے ہیں:

”رفیعی ایک جوہرِ قابل تھا۔ جسے موت نے ہم سے چھین لیا۔ اس کے خطوط میں اس کا اسلوب صاف جھلک رہا ہے۔ یہ اسلوب جو ابوالکلام اور نیاز سے متاثر ہونے کا نتیجہ سہی، لیکن خود بھی انفرادیت رکھتا ہے۔

رفیعی ایک بلند اور نازک حس کا مالک تھا۔ اس کے قلم میں رومانی ادب کی تخلیقی قوتیں تھیں، اگر وہ زندہ رہتا تو اُردو ادب میں ایک بڑی شخصیت مسدق ہو جاتی“[۱۴]

شاعرِ رومان اختر شیرانی سے رفیعی اجمیری کے بڑے قریبی اور پُرخلوص تعلقات تھے۔ رفیعی کا تعلق اجمیر کے رئیس گھرانے سے تھا۔ دوست نواز اور مہمان نواز تھے۔ اکثر اختر شیرانی ان کے یہاں رہتے۔ اختر اور رفیعی کے لیے فضائی ٹونکی کے خط کی یہ عبارت دیکھیے:

”وہ رفیعی صاحب ہی ہیں، جنھوں نے ہندوستان میں اتنی دور سے اختر صاحب کو مغلوب کر لیا ہے ... اختر و رفیعی ایک دوسرے کے دالہ و شیدا ہیں۔ اور بالکل عادتیں ملتی جلتی سی ہیں“[۱۵]

رئیسی اجمیری پر کام ہونا ہے۔ مَیں نے خاصا مواد جمع کیا ہے۔ مولانا خواجہ معنی اجمیری/ رئیسی اجمیری/ اور قابل اجمیری، شعرائے اجمیر کی فہرست کے اہم نام ہیں۔ اور مولانا خواجہ معنی اجمیریؒ کے نامور تلمیذ سخن، اُردو کے مشہور جواں مرگ غزل گو شاعر ——— قابل اجمیری کے ذکر کے بغیر شعرائے اجمیر کا تذکرہ ممکن ہی نہیں۔ رئیسی اجمیری اور قابل اجمیری نے اپنی مختصر سی زندگی میں جو شہرت پائی اور اپنی اپنی شاعرانہ حیثیت منوائی وہ اجمیر شہر کے سرمایۂ ادب کے لیے ہمیشہ باعثِ افتخار رہے گی۔ شعرائے اجمیر میں رئیسی اجمیری کی بحیثیت نظم نگار اور قابل اجمیری کی بحیثیت غزل گو ہمیشہ اہمیت رہے گی۔

قابل اجمیری نے شہرت پاکستان منتقل ہونے کے بعد حاصل کی۔ وہ آزادیِ وطن کے ساتھ پاکستان منتقل ہو گئے۔ حیدر آباد میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔ پہلی مرتبہ ان کے تنو شعر ——— جگر مُرادآبادی کی تقریظ کے ساتھ شائع ہوئے تو ادبی حلقوں میں بے حد مقبول ہوئے۔ دوسری مرتبہ پھر تنو شعر شائع ہوئے۔ اس مرتبہ پروفیسر ارشد رضا کی قابل اجمیری اور ان کی شاعری کے لیے ایک اہم تحریر شریکِ اشاعت تھی۔ اس کے بعد ان کا اہم مجموعہ 'دیدۂ بیدار' ——— ڈاکٹر عبادت بریلوی کے مقدمہ کے ساتھ سامنے آیا تو قابل اجمیری کی شاعرانہ حیثیت مسلّم ہو گئی۔ اس کے بعد ——— 'خونِ رگِ جاں' ان کا دوسرا مجموعہ شائع ہوا۔ اور ایک مجموعہ "باقیاتِ قابل" کے نام سے ترتیب دیا گیا۔ پاکستان کے رسائل نے 'قابل نمبر' شائع کیے اور اردو کے اہم ناقدین نے قابل اجمیری کی شاعری پر مضامین لکھے۔ یہ سلسلہ آج بھی برقرار ہے۔ یہ موقع نہیں ہے کہ قابل اجمیری کی شاعری پر دی گئی آرا سے بحث کی جائے یا تفصیل سے ذکر کیا جائے۔ صرف ڈاکٹر عبادت بریلوی کے مقدمہ سے اقتباسات کے ساتھ قابل اجمیری کے اشعار پیش کرتا ہوں۔

> "جناب قابل اجمیری اُردو کے جانے پہچانے شاعر ہیں . . . جدید اُردو شاعری سے دلچسپی رکھنے والے جو مشاعرے سنتے اور نمایاں رسائل پڑھتے ہیں۔ ان کے لیے قابل صاحب کا نام اجنبی اور نامانوس نہیں ہے۔ انھوں نے بہت تھوڑے عرصہ میں نمایاں شہرت حاصل کی ہے ان کی یہ شہرت اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کی شاعری میں پڑھنے اور سننے والوں کے لیے دلچسپی کا خاصا سامان موجود ہے۔"

> "قابل صاحب پختہ مشق شاعر ہیں۔ وہ غزل کے مزاج کو سمجھتے ہیں، اس کو برتنے کے آداب سے وہ پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ انھیں غزل کو غزل بنانے کا گُر خوب آتا ہے اسی لیے ان کے یہاں ہر موضوع غزل کا موضوع معلوم ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ قابل صاحب غزل کے اصول سے واقفیت ہی نہیں رکھتے وہ اس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں کوئی بات بھی ہو، وہ بڑی آسانی سے غزل کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔"[۳۶]

قابل اجمیری نے غزل کے علاوہ نظم اور قطعات بھی کہے۔ مگر وہ کامیاب غزل ہی میں رہے۔ یہ ہی ان کی شناخت کا ذریعہ بنی۔ اور اُردو شاعری میں ان کا مقام متعین کرنے میں معاون ہوئی ـــــ بقول عبادت بریلوی۔۔۔ " غزلوں میں عشق کا بڑا مہذب تصور ملتا ہے۔۔۔ جہاں تک حسن و عشق کا تعلق ہے کچھ اس قسم کے اشعار ملتے ہیں۔"

ہم نے دیے ہیں عشق کو تیور نئے نئے
ان سے بھی ہو گئے ہیں گریزاں کبھی کبھی

راحتوں سے گریز، غم سے فرار
بعض لمحے عجیب ہوتے ہیں
تم جنھیں عمر بھر نہیں ملتے
وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں

خوشبوئے انتظار سے مہکی ہوئی ہے رات
قابلؔ نہ جانے کس کو بلاتی ہے چاندنی

کچھ حسن آ چلا تھا شبِ انتظار میں
کاش اور تھوڑی دیر نہ ہوتی سحر ابھی

یہی ہے دل کی ہلاکت، یہی ہے عشق کی موت
نگاہِ دوست پہ اظہارِ بےکسی ہو جائے

مقامِ عاشقی دنیا نے سمجھا ہی نہیں ورنہ
جہاں تک تیرا غم ہوتا وہیں تک زندگی ہوتی

دل کی دھڑکن کا اعتبار نہیں
ورنہ آواز تو تمھاری ہے
ان کے حسنِ ستم کا کیا کہنا
لوگ سمجھے خطا ہماری ہے

وہ خیالوں میں کہیں شعلہ، کہیں شبنم رہے
ایک اندازِ کرم کے مختلف عالم رہے

ہمیں بھی شہرِ نگاراں میں لے چلو یارو
کسی کے عشق کا آزار ہم بھی رکھتے ہیں
یہ چاک چاک گریباں، یہ داغ داغ جگر
متاعِ حسرتِ دیدار ہم بھی رکھتے ہیں

رُکا رُکا سا تبسم، جھکی جھکی سی نظر
تمھیں سلیقۂ بیگانگی کہاں ہے ابھی

کوئی وعدہ نہیں، اُمید نہیں
پھر مجھے انتظار سا کیوں ہے

بےکسی سے بڑی اُمیدیں ہیں
تم کوئی آسرا نہ دے جانا

یہ ظالم زمانہ دکھائے گا کیا کیا　　تری آنکھ بھی آج نم دیکھتے ہیں

بے نیازی کو اپنی خو نہ بنا　　یہ ادا بھی کسی کو پیاری ہے

اپنے لب ہی نہیں سیے ہم نے　　آپ کی زلف بھی سنواری ہے

ان کی پلکوں پہ ستارے، اپنے ہونٹوں پہ ہنسی　　قصۂ غم کہتے کہتے ہم کہاں تک آ گئے

رضائے دوست قابلؔ میرا معیارِ محبت ہے　　انھیں بھی بھول سکتا تھا، اگر ان کی خوشی ہوتی

رفتہ رفتہ رنگ لایا جذبۂ خاموشِ عشق　　وہ تغافل کرتے کرتے امتحاں تک آ گئے
تم کو بھی شاید ہماری جستجو کرنی پڑے　　ہم تمھاری جستجو میں اب یہاں تک آ گئے

دلِ دیوانہ عرضِ حال پر مائل تو کیا ہوگا　　مگر وہ پوچھ بیٹھے خود ہی حالِ دل تو کیا ہوگا

عبادت بریلوی کا کہنا ہے۔۔۔ "قابل صاحب کی شاعری میں نری جذباتیت نہیں ہے، اس میں حقیقتوں کا احساس بھی نمایاں ہے۔۔۔ ان کے یہاں غمِ عشق اور غمِ روزگار کا تذکرہ ساتھ ساتھ ملتا ہے۔ کیسے عجیب شعر انھوں نے اس موضوع پر نکالے ہیں"

اے گردشِ دوراں آ، تجھ کو بھی اماں بخشیں　　ہم نے غمِ جاناں کو سینے سے لگایا ہے

ہم بے کسوں کی بزم میں آئے گا اور کون　　آ بیٹھتی ہے گردشِ دوراں کبھی کبھی

لذتِ گردشِ ایام وہی جانتے ہیں　　جو کسی بات پر اٹھ آئے ہیں میخانے سے

غمِ جہاں کے تقاضے شدید ہیں، ورنہ　　جنونِ کوچۂ دلدار ہم بھی رکھتے ہیں

عبادت بریلوی کی رائے ہے۔۔۔ "قابل صاحب کی غزلوں کے موضوعات محدود نہیں ہیں۔۔۔ زندگی کے عام سیاسی اور سماجی حالات کی ترجمانی وہ بڑی خوبی سے کرتے ہیں۔۔۔ ان موضوعات کو اپنے مزاج میں داخل

کرلیا ہے۔ اسی لیے وہ ان کو غزل کی صنف کے ساتھ ہم آہنگ کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔"

ٹھنڈے پڑے ہیں انجمن رنگ کے چراغ
اک نغمۂ بہار بہ طرز فغاں سہی
ذوقِ سفر جوان ہے قابلؔ بڑھے چلو
منزل بھی آج گردِ رہِ کارواں سہی

ہمیں تو رونقِ زنداں بنا دیا تم نے
چمن میں صبحِ بہاراں کی بات کون کرے
کسی کو رنگ سے مطلب کسی کو خوشبو سے
گلوں کے چاکِ گریباں کی بات کون کرے

کچھ اور بڑھ گئی ہے اندھیروں کی زندگی
یوں بھی ہوا ہے جشنِ چراغاں کبھی کبھی

ایک دل تاب تجلی کو ترستی ہے نظر
صبح ہوتی ہے مگر، صبح سے کیا ہوتا ہے

بہار آتی ہے تو اکثر نشیمن جل ہی جاتے ہیں
مگر گلشن کے جلنے کا سماں کچھ اور ہوتا ہے

عبادت بریلوی کا یہ بھی کہنا ہے . . . "ایک بات قابل صاحب کے کلام میں اور بھی قابلِ ذکر ہے وہ یہ کہ زندگی کی محرومیوں کو محسوس کرنے کے باوجود وہ زندگی سے بیزار اور مایوس نہیں ہیں . . . غم کا احساس ان کے یہاں انفعالیت کو پیدا نہیں کرتا۔ وہ زندگی سے بیزار نہیں، ان پر قنوطیت طاری نہیں ہوتی۔"

ذوقِ سفر جوان ہے قابلؔ بڑھے چلو
منزل بھی آج گردِ رہِ کارواں سہی

ہر قدم بھی حادثہ، ہر آرزو بھی حادثہ
حادثے پھر بھی ہمارے حوصلوں سے کم رہے

اور عبادت بریلوی کی یہ رائے نہایت جچی تلی ہے:

"قابل صاحب پختہ مشق شاعر ہیں۔ وہ غزل کے مزاج کو سمجھتے ہیں۔ اس کو برتنے کے آداب سے وہ پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ انھیں غزل کو غزل بنانے کا گر خوب آتا ہے۔ اسی لیے ان کے یہاں ہر موضوع غزل کا موضوع معلوم ہوتا ہے۔ بات یہ ہے کہ قابل صاحب غزل کے اصول سے واقفیت ہی نہیں رکھتے وہ اس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں کوئی بات بھی ہو، وہ بڑی آسانی سے غزل کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔"

مندرجہ بالا اشعار ——— "دیدۂ بیدار" میں شامل ہیں۔ "خونِ رگِ جاں" سے کوئی شعر منتخب نہیں

کیا گیا ہے چونکہ وہ مجموعہ بعد میں شائع ہوا ہے۔ چند اور اشعار جو مشہور ہیں۔ مندرجۂ ذیل ہیں :

اس کی محفل میں بیٹھ کر دیکھو　　زندگی کتنی خوبصورت ہے

کسی کی زلف پریشاں، کسی کا دامن چاک　　جنوں کو لوگ تماشا بنائے پھرتے ہیں

کتنے روشن ہیں وہ عارض، کتنے شیریں ہیں وہ لب
راستہ کٹ جائے گا، ذکرِ بتاں کرتے چلو

راستہ ہے کہ کٹتا جاتا ہے　　فاصلہ ہے کہ کم نہیں ہوتا

رنگ عارض میں نہ تھا، یا زلف میں خوشبو نہ تھی　　آپ کس کی جستجو میں گلستاں تک آ گئے

نظمِ محفل چاہتا ہے اک مکمل انقلاب　　چند شمعوں کے بھڑکنے سے سحر ہوتی نہیں

تمھیں خبر بھی ہے یارو کہ دشتِ غربت میں　　ہم آپ اپنا جنازہ اٹھائے پھرتے ہیں

ہمیں بھی دیکھ لو آثارِ منزل دیکھنے والو　　کبھی ہم نے بھی دیکھا تھا غبارِ کارواں اپنا

ہمیں کیا آپ انجامِ محبت سے ڈراتے ہیں　　ہمارے خون سے ہر دور کا آغاز ہوتا ہے

تذکرہ شعرائے اجمیر کے علاوہ اجمیر کے دیگر شعرا جو قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی مع تخلص حروفِ تہجی کے اعتبار سے اس طرح ہیں :

۱ - محمود خاں آثم تلمیذ مولانا خواجہ معنی اجمیری - ۲ - منشی رمضان علی اختر تلمیذ ظہیر دہلوی۔ ۳ - شاہ نور خاں اختر - ۴ - محمد حسین بسمل خیرآبادی تلمیذ غالب و امیر مینائی - ۵ - دیبی پرشاد بشاش۔ ۶ - محمود الحسن بہار کوٹی - ۷ - حکیم بہاء الدین خاں بہاء تلمیذ داغ دہلوی - ۸ - چمن لال بہجت - ۹ - منشی امتیاز احمد بیتاب - ۱۰ - غلام رسول خاں بے چین تلمیذ داغ دہلوی - ۱۱ - محمد نور خاں بیدل تلمیذ ظہیر دہلوی - ۱۲ - مکھٹ بہاری لال تاج - ۱۳ - حرمان تلمیذ میر درد دہلوی - ۱۴ - بابو رام نراین حیران تلمیذ داغ دہلوی - ۱۵ - نواب محمد خادم حسن خادم مرادآبادی - ۱۶ - میر کرامت علی خلش تلمیذ مومن و

ساکت - ۱۷ - مولنا صاحبزادہ سید دوست محمد دوست - ۱۸ - سید علی راحت - ۱۹ - محمد عبدالرحیم خاں رحیم تلمیذ داغ دہلوی - ۲۰ - سید محمد الیاس رضوی - ۲۱ - محمد یوسف ساغر - ۲۲ - مولوی ابوالحسن ساکت تلمیذ مومن دہلوی - ۲۳ - نظیر حسن سخا تلمیذ داغ دہلوی - ۲۴ - منشی جوالا ناتھ سحر - ۲۵ - سید سیف علی سیف اکبرآبادی، تلمیذ مولنا خواجہ معنی اجمیری - ۲۶ - سیٹھ عبدالرزاق شاداں تلمیذ مولنا سید عبدالقادر خنداں - ۲۷ - شرف یار خاں شرف تلمیذ داغ دہلوی - ۲۸ - منشی رام سروپ شمیم - ۲۹ - نادرالکلام محمد ابراہیم صوفی تلمیذ معنی اجمیری - ۳۰ - محمد بخش ضبط تلمیذ داغ دہلوی - ۳۱ - ڈاکٹر حفیظ اللہ طالب تلمیذ غالب - ۳۲ - سید محمد یحییٰ طالب تلمیذ مولنا خواجہ معنی اجمیری - ۳۳ - صاحبزادہ سید زین العابدین عابد - ۳۴ - پروفیسر کرم غنی خاں عاجز - ۳۵ - مولنا طفیل احمد عارف - ۳۶ - محمد اقبال حسین عاشق تلمیذ غالب - ۳۷ - شیوراج ناتھ عاشق تلمیذ امیر مینائی - ۳۸ - نواب شمس الدین علی خاں عاشق تلمیذ ظہیر دہلوی - ۳۹ - پروفیسر حمید اللہ خاں یوسف زئی عرشی - ۴۰ - سید محمود علی عرشی - ۴۱ - حبیب اللہ خاں فضائی ٹونکی تلمیذ سیماب اکبرآبادی - ۴۲ - سید عبداللہ فرحتی - ۴۳ - منشی صاحبزادہ سید زین الکاملین کامل - ۴۴ - محمد آل حسن مسرور تلمیذ مولنا خواجہ معنی اجمیری - ۴۵ - سید افتخار حسین مضطر تلمیذ امیر مینائی - ۴۶ - منشی امین الدین خاں مفتوں تلمیذ معنی اجمیری - ۴۷ - میر نظام الدین ممنون - ۴۸ - محمد ایوب مودودی نش، ۴۹ - نثار الملک محمد علی میسر احدی - ۵۰ - سلام الدین نادر

موجودہ اور نمائندہ شعرائے اجمیر کے انتخاب کلام کے وقت، مَیں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ پوری طرح ہر شاعر کے رنگِ سخن اور معیارِ فن کا امکانی حد تک صحیح صحیح اندازہ ہو سکے۔ شعرا کا یہ انتخاب کلام ان کی شعرگوئی کے مختلف ادوار کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور یہ کلام ــــــ شاعر کے مزاجِ سخن کی تبدیلی کی وضاحت کے ساتھ مشقِ سخن کے بعد ــــــ کلام میں جو نکھار آتا ہے اور معیار قائم ہوتا ہے اس کی بھی شہادت دیتا ہے اور شعریت کے ساتھ شاعر کی اپنی کیفیت، خصوصیت اور انفرادیت کو بھی نمایاں کرتا ہے، متفرق اشعار کے علاوہ پوری مکمل غزلیں اور مکمل نظمیں اس لیے دی گئی ہیں کہ وہ شاعر کی شناخت کا ذریعہ ثابت ہوں۔

اس انتخاب میں اجمیر کے ان تمام موجودہ اور نمائندہ شعرا کا کلام شامل ہے جو بفضلِ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں، اجمیر میں مقیم ہیں یا گردشِ روزگار کے سبب نقلِ مکانی کر چکے ہیں۔ یہ وہ شاعر ہیں جو یہاں پیدا ہوئے یا ان کی شاعری کا یہاں آغاز ہوا یا یہاں کے اساتذۂ سخن سے رشتۂ تلمذ قائم کیا یا اپنے مقامات سے ترکِ وطن کر کے مستقل طور پر اجمیر میں آ کر آباد ہو گئے۔

ــــــ سید فضل المتین

مولانا سید عبد القادر خنداںؔ

ہر آنکھ میں ہے جلوۂ تابانِ محمدؐ
ہر دل میں نہاں حسرتِ دامانِ محمدؐ

اے گنبدِ خضریٰ تجھے آنکھوں سے لگالوں
دیکھا ہے بہت تونے گلستانِ محمدؐ

فرمایا خدا نے وَرَفَعنَا لَكَ ذِكرَك
اللہ غنی رتبۂ ذیشانِ محمدؐ

چلتی رہیں تا حشر حوادث کی ہوائیں
ہرگز نہ بجھی شمعِ فروزانِ محمدؐ

دُنیا میں کسی کے نہ ہوں محتاجِ کرم ہم
ہو سر پہ اگر سایۂ دامانِ محمدؐ

تھا اُسے بدمعاش جن کا خطاب
بن گئے ہیں وہ آج خان و جناب

اک سبب کے بھی ہم نہیں مالک
اور عالم ہے عالمِ اسباب

ٹاٹ کمبل انھیں نصیب نہیں،
جو پہنتے ہیں قاقم و سنجاب

چیتھڑے کل جو لگائے پھرتے تھے
پہنے پھرتے ہیں اطلس و کمخواب

○

جس نے دیکھی نہ ہو کبھی مے ناب
دیکھنے آئے اُن کا عہدِ شباب

کاش ایسے میں کوئی آجائے
آنکھیں پُرنم ہیں اور دل بیتاب

اپنے مخلص کی قدر کر ناداں
جنسِ اخلاص ہے بہت نایاب

اک مجسّم جمالِ قاتل نے
کر دیا پھر مجھے تباہ و خراب

اپنے خنداں سے پھر ہنسو بولو
کہیں عادت ہی ہو نہ جائے عتاب

آج پھر یاد آگیا اک خواب
آج پھر رقص میں ہے یادِ شباب

دیکھ کر رنگ و حسنِ جام و شراب
یاد آتا ہے عہدِ عشق و شباب

نامۂ شوق مختصر لکھیے
بن گیا یہ تو ایک ضخیم کتاب

کیسا رنگیں تھا کیسا دلکش تھا
نوجوانی کا وہ پریشاں خواب

شوقِ دیدار ہو نہ روز افزوں
روز افزوں نہ ہو کسی کا حجاب

ہم نے گایا تھا ایک نغمہ کبھی
آج تک رو رہے ہیں چنگ و رباب

درد انگیز واقعاتِ جہاں
عشق کی داستاں کا پہلا باب

بحرِ جود و کرم سہی ساقی
ہم تو پیتے ہیں خونِ دل کی شراب

خاک ہو کر بھی ہم رہے خنداں
خاک سے اپنی اُگ رہے ہیں گلاب

ختم ہونے کو ہے فسانۂ زیست
ڈوبنے کو ہے آفتابِ شباب

خلشِ انتظار را چہ کنم
ایں دلِ بیقرار را چہ کنم

آگیا سر پہ آفتابِ فنا
تو ابھی تک ہے محوِ عالمِ خواب

توبہ کردم، ز نغمہ و ساغر
موسمِ خوشگوار را چہ کنم

فرقِ اشکال ہے فریبِ نظر
ورنہ اک شے ہے بحر و موج و حباب

من کہ دل بستہ ام بزلف و رخش
حسنِ لیل و نہار را چہ کنم

مَیں عجب کشمکش میں ہوں یارب
زندگی ہے کہ حلقۂ گرداب

دورم از یار و نزدِ من است
بختِ ناسازگار را چہ کنم

جیسے جی کوئی ہوگیا خاموش
جانے کیا کہہ گئی صدائے رباب

ضبط کردم ہزار بار مگر
آہِ بے اختیار را چہ کنم

دل میں ہو درد اور لب پہ ہنسی
ایسا انساں جہاں میں ہے کمیاب

رازِ دل فاش گوید اے خنداں
دیدۂ اشکبار را چہ کنم

تمامِ عشق، سراپائے حسنِ یار ہوں میں
خزاں تو ہوں مگر آئینۂ بہار ہوں میں

سراسر آئینہ دارِ جمالِ یار ہوں میں
چمن میں لاکھ بہاروں کی اک بہار ہوں میں

مری نگاہ میں ہے بادۂ شبانۂ عشق
کسی حسین زمانے کی یادگار ہوں میں

تمام وحشت و حسرت تمام درد و الم
دلِ ربودہ کی خاموش یادگار ہوں میں

چمن کو جس کی توجہ نے رنگ و بو بخشا
اُسی مصورِ فطرت کا شاہکار ہوں میں

بنا بنا کے مٹایا، مٹا مٹا کے بنا
مگر یہ یاد رہے کس کی یادگار ہوں میں

ہجومِ غم میں بھی رُخ پر شگفتگی ہے وہی
یہ کِس کے حسنِ تصور سے ہمکنار ہوں میں

عجیب ایک معمہ ہے خود مری ہستی
نہ جانے کس کے لیے اور کب سے بیقرار ہوں میں

میں کیا ہوں؟ کون ہوں؟ کس کا ہوں حضرتِ خنداں
خیال ہے کہ کسی باغ کی بہار ہوں میں

رونقِ بزمِ تصور ہی بڑھانے دیجیے
آپ اور میرے لیے بیتاب جانے دیجیے

عشرتِ ساحل سے رہیے آپ یوں ہی ہمکنار
ڈوبنے والا سفینہ ڈوب جانے دیجیے

آپ کی بے مہریوں پہ مدتوں روئے ہیں ہم
اپنی غفلت پہ کبھی دو آنسو بہانے دیجیے

جو زمینِ دل اُگلتی تھی کبھی لعل و گہر
آج اُس صحرائے غم میں خاک اُڑانے دیجیے

آپ سے اہلِ ستم! ترکِ ستم کی التجا
آپ خود پچھتائیں گے وہ وقت آنے دیجیے

ہم کو بھی اہلِ چمن اپنے چمن کے آس پاس
ایک چھوٹا سا نشیمن ہی بنانے دیجیے

پاسباں نے دیکھ کر خنداں کو ساقی سے کہا
مدتوں میں یہ ادھر آیا ہے آنے دیجیے

پھر جلوہ نما! کیا وہ لبِ بام ہوئی ہے
یا صبح نمودار سرِ شام ہوئی ہے

ہر ایک مسافر ہی سے آغازِ سفر میں
لغزش رہِ ہستی میں ہر اک گام ہوئی ہے

میخانے کے میخانے ہیں تقدیر کسی کی
تقدیر مری حسرتِ یک جام ہوئی ہے

کوسوں ہے اندھیرا ہی اندھیرا ہی اندھیرا
یہ کون سی منزل ہے جہاں شام ہوئی ہے

کتنے مرتکبِ جرمِ وفا شہر میں لاکھوں
میری ہی وفا شہر میں بدنام ہوئی ہے

جب روزِ ازل سلطنتوں کی ہوئی تقسیم
جاگیر حوادث کی مرے نام ہوئی ہے

شیرینیِ آغازِ محبت میں بھی خنداں
محسوس کہیں تلخیِ انجام ہوئی ہے

دیوانگیِ شوق پہ الزام نہ آیا
تو دل میں رہا لب پہ ترا نام نہ آیا
کونین کے غم، یادِ خدا، ضبطِ فراواں
وہ سامنے آئے تو کوئی کام نہ آیا
صیّادِ محبت کی نظر کب نہیں چوکی
کب طائرِ مقصود تہہِ دام نہ آیا
ساقی ہی نے میخانے کو میخانہ بنایا
ساقی ہی کے حصے میں کوئی جام نہ آیا
پہنی نہیں کب میں نے حوادث کی قبائیں
کب عشق کی سرکار سے انعام نہ آیا
رسوائی سے دامن کو بچا اس طرح جیسے
پروانہ جلا شمع پہ الزام نہ آیا
جو یاد سے ان کی کبھی غافل نہیں رہتا
وہ زد میں تری گردشِ ایام نہ آیا
سن کر ترے اوصاف تجھے جان گئے لوگ
حالانکہ ابھی لب پہ ترا نام نہ آیا

میں خود ہی جلوہ نما تھا جہاں، وہاں نہ گیا
مرا خیال اگرچہ کہاں کہاں نہ گیا
یہ بجلیوں نے جلایا تھا آشیاں کس کا
ہزار سال گزرنے پہ بھی دھواں نہ گیا
ہوئی نہ حشر تک آباد اے حوادثِ عشق
وہ سرزمین جہاں تیرا کارواں نہ گیا
مرا ہی ذکر تھا دُنیا کی داستانوں میں
میں داستانوں کو سننے کہاں کہاں نہ گیا
زمیں کے جلوؤں نے چھوڑا کبھی نہ دامنِ دل
مرا خیال کبھی سوئے آسماں نہ گیا
خیالِ یار رہا تا حیات ہم آغوش
ہماری عمر کا اک لمحہ رائیگاں نہ گیا
رہا حوادثِ عالم میں رات دن محصور
مگر تصورِ زلف و رخِ بتاں نہ گیا
چھپا ہوا تھا وہ اس کی ہی دل کی بستی میں
تلاشِ یار میں خنداں کہاں کہاں نہ گیا

کب وہ نخلِ چمن حسنِ گل افشاں نہ ہوا
کب مجھے شکوۂ کوتاہیِ داماں نہ ہوا

چشمِ عشاق بہر حال گل افشاں ہی رہی
یہ چمن منتظرِ فصلِ بہاراں نہ ہوا

آپ اور پرسشِ احوال خدا خیر کرے
در و دیوار سے کیا حال نمایاں نہ ہوا

چاک داماں تو ہوا چاک گریباں لیکن
منفعل ہوں کہ بہ اندازۂ ارماں نہ ہوا

اُس کے دروازے پہ درویش بنا بیٹھا ہوں
جو مرے حال کا بھولے سے بھی پرساں نہ ہوا

ذرّے ذرّے سے نمودار ہوا رنگِ بہار
دل ہمارا ہی کبھی خرم و خنداں نہ ہوا

حاصلِ اُلفت یہی اب عمر بھر دیکھیں گے ہم
دردِ دل دیکھیں گے ہم، سوزِ جگر دیکھیں گے ہم

داستانِ دردِ دل کچھ لب پہ ہو کچھ دل میں ہو
اس طرح بھی آج عرضِ حال کر دیکھیں گے ہم

اے اسیرانِ چمن اب اپنے دل میں عنقریب
نکہتِ گُل کی طرح شوقِ سفر دیکھیں گے ہم

آسماں پر دن میں بھی تارے نظر آنے لگے
یوں گزرتے کس طرح شام و سحر دیکھیں گے ہم

آ رہا ہے پھر کسی کی زلفِ برہم کا خیال
پھر نظامِ شوق کو زیر و زبر دیکھیں گے ہم

آج ان کی رہگذر ہے اور ہم اے آسماں!
اپنے قدموں پہ جھکا اب تیرا سر دیکھیں گے ہم

آنکھوں آنکھوں میں نگاہِ شوق سب کچھ کہہ گئی
اب نگاہِ شوق کا اُن پر اثر دیکھیں گے ہم

سے سر پا تک بن گئے ہم محشرستانِ امید
اور کیا اب اُن کا اعجازِ نظر دیکھیں گے ہم

سب کی منزل ایک ہو اور سب کا مقصد ایک ہو
کاروانوں میں کب ایسے ہمسفر دیکھیں گے ہم!

کب کھلیں گے منزلِ امن و اماں کے راستے
عہدِ چنگیزی کو کب زیر و زبر دیکھیں گے ہم

جب شجر کاری بنے گی باغبانوں کا مزاج
ہر قدم پر سایہ گستر سو شجر دیکھیں گے ہم

عمر بھر لاکھوں سفینے ڈوبتے دیکھا کیے
ڈوبتے اب ناخداؤں کے بھی گھر دیکھیں گے ہم

یا یونہی چھائی رہیں گی رات کی تاریکیاں
یا کسی دن جلوۂ نورِ سحر دیکھیں گے ہم

اک نظر بھی بزم میں اُس نے ہمیں دیکھا نہیں
اس کی جانب حضرتِ خنداں مگر دیکھیں گے ہم

اشعار

میں اُن کے حسنِ تغافل پہ کیوں رکھوں الزام
گزارنا تھا یونہی موسمِ بہار مجھے
تری پکار میں پنہاں ہے دوست کا پیغام!
پکار اے دلِ مایوس پھر پکار مجھے
وہ بے نیاز ہیں، ہر چند بے نیاز نہیں
بنا کے اک دلِ مجبور کی پکار مجھے

خنداںؔ یہ مانا قد میں مشابہ ہے وہ مگر
حسنِ ادائے یار کبھی سروِ رواں میں ہے
زاہد میں اس لیے ہوں مریدِ صنم کدہ
پرتو خدا کے نور کا حسنِ بتاں میں ہے

جس گھر کے در و بام پہ تھا میرا تسلط
لٹتا ہوا حسرت سے وہ گھر دیکھ رہا ہوں
اس درجہ مناجات نہ کر اے شبِ آفات
گلگونہ رخسارِ سحر دیکھ رہا ہوں

آنسوؤں کو تہہ مژگاں ہی چھپائے رکھنا
یعنی جذباتِ محبت کو دبائے رکھنا
سر پہ کچھ ہی نہ گزر جائے مگر اے خنداںؔ
تہہ شمشیر بھی ہمت کو بنائے رکھنا

تیرے جلووں سے ہوا نورِ حقیقت روشن
تجھ کو دیکھا تو خدائی کو خدا یاد آیا
ناصیہ سا ہے ترے نقشِ قدم پر دنیا
دیکھ کر تجھ کو خدا جانے کیا یاد آیا

کسی کی یاد میں ہمدم ہمیشہ دست بر سر ہوں　　خنداں تمام عمر ہماری گزر گئی
سراپا یاس و حسرت ہوں، مجسم غم کا پیکر ہوں　　نواب تاج ٹونک کی حالی جناب ہیں

قاتل بھی ہے، مقتل بھی، اغیار بھی اور میں بھی! کرم نہ کیجیے مری اس شکستہ حالی پر
اب فیصلہ کر دے گی تلوار محبت کا　کہیں نہ بن کے بگڑ جائے داستاں میری!

فنا ہو جائے گا اک روز خود ہی اپنی گردش سے　پھر نہ رہ جانا مری فریاد سے دل تھام کر
مٹائے گا مری ہستی کو دورِ آسماں کب تک　لے میں چپ ہوں اگر خموشی ہی تجھے منظور ہے

ہر دور میں اسلوب بدلتے ہی رہے ہیں　　نہیں یہ آسماں ہے دودِ پیچاں، آہِ سوزاں کا
ہر دور میں اسلوب بدلتے ہی رہیں گے　　نہیں مہرِ درخشاں، شعلہ ہے یہ سوزِ نہاں کا

اے اہلِ ستم کچھ دن کے لیے یہ عیش کے ساماں اور سہی
اے اہلِ ستم کچھ دن کے لیے جینے کے یہ ارماں اور سہی

کچھ محوِ تماشہ ڈوب گئے، کچھ محوِ تماشہ باقی ہیں
دو چار تھپیڑے ہلکے سے، اے موجِ طوفاں اور سہی

منشائے جفائے یار اگر، ایمان بھی لینا ہے ناصح!
نقدِ دل و جاں تو دے ہی چکے، سرمایۂ ایماں اور سہی

اک خوابِ پریشاں ہے واعظ، یہ عالم ہو یا وہ عالم
اک خوابِ پریشاں دیکھ چکے، اک خوابِ پریشاں اور سہی

مولوی سید اعجاز علی اعجاز

آسان کتنے تھے مجھے دو دن گزارنے
دشوار کر دیے ہیں ترے انتظار نے

اب شوخیاں دکھائی ہیں ابرِ بہار نے
جب میکدہ کو چھوڑ دیا بادہ خوار نے

پھرتا کہاں کہاں ہوسِ زندگی لیے
مجبور کر دیا ہے ترے اختیار نے

ہر ہر قدم پر آبلہ پائی کی دی ہے داد
رکھ لی ہے آبرو مری ہر نوکِ خار نے

آنے لگی ہے جب سے مسیحا نفس کی یاد
دل گوشۂ حیات لگا ہے سنوارنے

آیا جو میرا ذکر تو انجان بن گیا
کس سادگی سے کام لیا رازدار نے

بے چارگیٔ عشق کا اعجاز دیکھیے
خود آ گئے ہیں آج وہ مجھ کو پکارنے

ہو چکی بات اب گئی گزری
وقت گزرا تو بات بھی گزری

فرق آیا نہ وضع داری میں
ایک حالت پہ جیسے جی گزری

اس کے وعدے کی رات مت پوچھو
اک قیامت سی ہر گھڑی گزری

رُخ پہ ڈالے ہوئے نقاب چلے
ابر میں جیسے چاندنی گزری

بجھ گئے جب دیے نصیبوں کے
دونوں آنکھوں سے روشنی گزری

بارِ خاطر مرا سلام ہوا
اور گراں میری حاضری گزری

ہے یہ اعجاز کا گماں غالب
مر گیا ذوق، شاعری گزری

ستم کرتے کرتے کرم یاد آئے
تمھیں مبتلائے الم یاد آئے

بیاباں نوردی کی پھر یاد آئی
جنونِ محبت کے دم یاد آئے

قفس در قفس زندگانی کے صدقے
چمن در چمن آج ہم یاد آئے

زمانے نے گو مجھ کو پابند رکھا
مگر تم تمھاری قسم یاد آئے

وہیں رکھ دیا سر نگاہیں بچھا دیں
جہاں اُن کے نقشِ قدم یاد آئے

یہ اندازِ لطف و کرم رہنے دیجے
کسی کو نہ پایا تو ہم یاد آئے

کرم کر رہے تھے تو بھولے ہوئے تھے
ستم یاد آئے تو ہم یاد آئے

یہ عالم ہے اعجازؔ بے چارگی کا
دھواں دل سے اٹھا نہ غم یاد آئے

لے چل اے حیرتِ جلوہ مجھے ویرانے میں
آنکھیں پتھر کی نہ بن جائیں صنم خانے میں

میری قسمت سے خضر کون سی ساعت میں ملے
راہ خود بھول گئے راستہ بتلانے میں

جلوے ہی جلوے بہر رنگ نظر آتے ہیں
دل نے اک آہ بھری تھی ابھی ویرانے میں

شمع ہنستی ہے کبھی اور کبھی رو دیتی ہے
کیا کوئی راز ہے پروانے کے جل جانے میں

اتنی دوری یہ تو باتیں ہیں نہ جانے کیا کیا
آ گئیں اور نہ آئیں تر نے آجانے میں

ایک رودادِ الم ہے نہ سنور ہنے دو
درد ہی درد ہے اعجازؔ کے افسانے میں

اشعار

خاموشیوں میں اُن کی مجھے مل گیا جواب
پیدا کوئی تو بات ہوئی عرضِ حال سے

اپنا قصہ نہ سہی میری شکایت ہی سہی
غیر ہر حال میں کام اپنا بنا لیتے ہیں

دے رہے ہیں وہ اشارے مجھے رہ رہ کے فریب
ڈوب جانے کے لیے پار اُترنے کے لیے

کل خدا جانے ہم رہیں نہ رہیں
آج رہ جاؤ رات بھر کے لیے

پیرِ مے خانہ سے پوچھو مری زندگی کا مقام
اپنے ساغر کو مرے جام سے ٹکراتا ہے

جی ڈوبتا ہے کیوں مرا سورج کے ساتھ ساتھ
کیا شام آ رہی ہے قیامت لیے ہوئے

دیکھنا ہے کہ وہی اس کی روش ہے کہ نہیں
میری آواز میں پہلی سی کشش ہے کہ نہیں

دشمنی، دوستی کی صورت میں
مُنہ دکھاؤ گے کیا قیامت میں

بہر صورت مجھے روادِ غم اس کو سنانی ہے
اگر سمجھے تو حالِ دل، نہ سمجھے تو کہانی ہے
اندھیری رات، منزل بے نشاں، بھٹکا ہوا راہی
چراغِ آرزو رہبر کہ منزل آج آنی ہے
یہ میرے ضبط کا عالم، گھٹا جاتا ہو جیسے دم
بتا اے چارہ سازِ غم، کہاں تک زندگانی ہے
بھٹک کر رہ گئے اعجاز تم تو پہلی منزل میں!
وہاں کیسے گزر ہو گا جو منزل پیش آنی ہے

بیج بویا تھا کسی اُمید پر
شاخ پھوٹی تھی کہ جل کر رہ گئی

درد راحت ہے مسلسل ہو اگر
سلسلہ ٹوٹا تو پھر آزار ہے

یوں آنسوؤں کو ضبط کیے جا رہا ہوں میں
گویا شراب ہے کہ پیے جا رہا ہوں میں

جاگ اُٹھتی ہے کبھی اور کبھی سو جاتی ہے
زندگی کھیل رہی ہے سحر و شام کے ساتھ

غصہ میں بھی وہ اس کی ترحم کی نگاہیں
تا زیست مجھے میری خطا یاد رہے گی

میں دیکھ رہا ہوں تری تصویر کا عالم
تصویر بھی حیرت سے مجھے دیکھ رہی ہے

دل کی جانب میں نے جب دیکھا تو حیراں ہو گیا
چپکے چپکے کوئی آیا اور مہماں ہو گیا

مریضِ غم کی صورت دیکھنے والے ٹھہر جانا
جو حالت ہونے والی ہے اُسے بھی دیکھ کر جانا

شمعِ محفل جب بھڑک اُٹھی تو فوراً بجھ گئی
شمعِ دل بھڑکی تو ہر جانب چراغاں ہو گیا

جب جھلک اس کی نظر آئی ہے
آرزو سانپ سی لہرائی ہے
اس تخیل میں کہ شاید آ جائیں
مدتوں نیند نہیں آئی ہے

وہ آنسو جو جفاؤں کی پشیمانی میں بہہ نکلے
انھیں کس کس طرح رکھا ہے میں نے اپنے داماں میں

دن جو بیت جاتے ہیں کب پلٹ کے آتے ہیں
زندگی سنورتی ہے پھر کہیں سنوارے سے
یہ پیامِ الفت ہے، وہ سلامِ رخصت ہے
آنکھ کے کنایہ سے، ہاتھ کے اشارے سے

نمائش گاہِ ہستی آزمائش گاہِ ہستی ہے
سوائے خاک اے اعجاز کیا رکھا ہے انساں میں

عزلت نشینِ خلوت و مستِ خیال بن!
پھرتا رہے گا خاک بسر در بہ در کہاں

خود چلے آئیں یا بلا بھیجیں!
بات کچھ بھی نہیں ذرا سی ہے
بارہا آن سے التجا کر لی
اب تو اعجاز ناروا سی ہے

مجبورِ عشق ہوں کہ اُٹھاتا ہوں اپنے ہاتھ
گو جانتا ہوں میں کہ دعا میں اثر کہاں

شجاعت نور خاں اُفق اجمیری

نہ عقل و ہوش بجا اور نہ دل ٹھکانے سے
تمھارے ہو کے بُرے ہوگئے زمانے سے

یہ کس کی زندگیِ تلخ سے عبارت ہے
تمھاری بزم کی رونق ہے جس فسانے سے

مَیں یہ سمجھ کے مسلسل فریب کھاتا ہُوں
فریب دینا بُرا ہے، فریب کھانے سے

نگاہِ عشق میں بہتر ہے زہر پی لینا
کسی کے سامنے رودادِ غم سنانے سے

اک ان کا حسنِ تغافل کہ کم نہیں ہوتا
اک اُن کی یاد کہ آتی ہے ہر بہانے سے

زمانہ کیوں مجھے پامال کر رہا ہے اُفق!
مجھے تو کچھ بھی اُمیدیں نہ تھیں زمانے سے

جب خرد کے نظریات بدل جاتے ہیں
شکلِ امکاں سے محالات بدل جاتے ہیں

سالِ راحت میں گزرتے ہیں برنگِ لمحات
رنج میں سال سے لمحات بدل جاتے ہیں

عشق میں ارض و سماوات کا شکوہ کیسا
عشق میں ارض و سماوات بدل جاتے ہیں

میری بربادی کامل تو کوئی چیز نہیں
وہ بدلتے ہیں تو دن رات بدل جاتے ہیں

لازمی طور سے لیتا ہے زمانہ کروٹ
جب نگاہوں کے مقامات بدل جاتے ہیں

اور تو کچھ نہیں ہوتا ہے تسلی سے اُفق
وحشتِ قلب کے اوقات بدل جاتے ہیں

دلِ خرابِ نظر کو سکوں نہیں ملتا
کوئی بھی محرمِ رازِ جنوں نہیں ملتا

یہ کیا مقامِ محبت ہے ان دنوں اے دوست
ترے حضور بھی آکر سکوں نہیں ملتا

پئے تلافیٔ رنجِ حیات مدت سے
اشارۂ نگہِ پُر فسوں نہیں ملتا

فسانۂ غمِ دل ناتمام ہے شاید!
کہ آنسوؤں میں ابھی رنگِ خوں نہیں ملتا

تلاشِ منزلِ مقصد کے باوجود افق
نشانِ منزلِ مقصود کیوں نہیں ملتا

ہم نے جس دن سے محبت کی بنا رکھی ہے
دیدہ و دل نے قیامت سی اٹھا رکھی ہے

نکہت و رنگ کے سیلابِ جنوں خیز کے ساتھ
خاک بھی کلیوں نے مٹھی میں دبا رکھی ہے

اب تو آجا، دلِ صد چاک نے تیری خاطر
وقت کی مانگ ستاروں سے سجا رکھی ہے

بارشِ وقت سے محفوظ رہے گی کب تک
ہم نے جو ریت کی دیوار اٹھا رکھی ہے

کس پہ روشن نہیں اس شمع کا انجام افق!
جو سرِ رہگزرِ بادِ صبا رکھی ہے

سامنے مرحلۂ منزلِ دشوار بھی ہے
دشمنِ عزمِ سفر سایۂ دیوار بھی ہے

گلۂ آبلہ پائی بھی ہے زیرِ لبِ شوق
پائے وحشت پہ گراں گرمیٔ رفتار بھی ہے

راس آجائے محبت تو بہر گام سپر
اور اگر راس نہ آئے تو یہ تلوار بھی ہے

عیش و راحت ہی نہیں منحصرِ جذبۂ شوق
جذبۂ شوق کا حاصل رسن و دار بھی ہے

شیشۂ دل کی حقیقت کو سمجھنے والے
شیشۂ دل کی نزاکت سے خبردار بھی ہے

کیسے سمجھوں نگہِ حسن کا مفہوم افقؔ
دائمی صلح بھی ہے، برسرِ پیکار بھی ہے

کون کہتا ہے کہ منزل کا پتہ دے کوئی
میں کہاں ہوں مجھے اتنا تو بتا دے کوئی

بار بار یوں بھی زمانے نے پکارا ہے مجھے
جیسے گزرے ہوئے لمحوں کو صدا دے کوئی

زندگی جن کے اُجالوں میں بسر ہوتی ہے
اُن چراغوں کو بھی آکر نہ بجھا دے کوئی

ایک موہوم سی تصویر ہے اب میرا وجود
کاش انگشتِ حنائی سے مٹا دے کوئی

اپنے انجامِ امارت پہ بھی کچھ غور کرے
جب کسی مفلس و بے زر کو سزا دے کوئی

جن کی شورش سے ہیں لرزاں در و دیوارِ اُفقؔ
ایسے دیوانوں کو سولی پہ چڑھا دے کوئی

جب تری یاد کے لمحات ستاتے ہیں مجھے
پھول کھِلتے ہیں تو شعلے نظر آتے ہیں مجھے

کون اس بزم کی رونق ہے انھیں کیا معلوم
شخصِ بیگانہ سمجھ کر جو اُٹھاتے ہیں مجھے

جب سے بیٹھی ہے امیدوں کے محل کی دیوار
عام دیواروں کے سائے بھی ڈراتے ہیں مجھے

ہیں وہ لمحات مری عمرِ رواں کا حاصل
خواب بن بن کے جو راتوں کو جگاتے ہیں مجھے

ان کے چہرے پہ ہے چڑھتے ہوئے سورج کا نقاب
گھول کر زہر جو امرت میں پلاتے ہیں مجھے

مَیں جنھیں پرتوِ اوہام سمجھتا تھا افق
آج وہ خوابِ حقیقت نظر آتے ہیں مجھے

جنسِ ہنر کے تولنے والے اب تو پورا تول
ہیرے موتی بیچ رہے ہیں ہم مٹّی کے مول

ان کے اشاروں پہ بٹتی ہے آدم کی میراث
سر پہ جن کے تاجِ خودی ہے ہاتھوں میں کجکول

اُٹھ اے ساتھی راہِ طلب کو اور کریں ہموار
ہم بھی کانٹے بین رہے ہیں تو بھی موتی رول

وقت کا مطرب چھیڑ رہا ہے کیسے کیسے راگ
تو نے کیوں چُپ سادھ رکھی ہے اے دل کچھ تو بول

اتنا وحشت خیز تھا بحرِ ہستی کا طوفاں
عقل کی چادر جب پھیلائی پڑ گئے لاکھوں جھول

حرفِ شکایت بھولے سے بھی گر اپنی زباں پر لائے ہیں
اہلِ کرم کے ہاتھوں دل پر کیا کیا زخم اُٹھائے ہیں

بطنِ زمیں سے کتنے سورج روز اُبھرتے ہیں لیکن
روئے زمیں پر حدِّ نظر تک گھور اندھیرے چھائے ہیں

دیپ سے دیپ جلانے والو، یہ تو بتاؤ دُنیا میں!
من کی جوت جگا کر تم نے کتنے دیپ جلائے ہیں

شہرِ نگاراں کی گلیوں میں اہلِ جنوں کا حال نہ پوچھ!
جتنے وفا کے گُن گائے تھے اتنے ہی پچھتائے ہیں

راہِ طلب میں جب بھی کسی مظلوم کے دل کو ٹھیس لگی
شیشۂ دل سے کتنے پتھر اُڑ اُڑ کر ٹکرائے ہیں

اپنے سائے کو بھی ترسیں گے ایسا زمانہ آئے گا
دورِ خزاں میں جن کے سروں پر لالہ و گل کے سائے ہیں

بے اثر عقلِ جہاں سوز کی تدبیریں ہیں
کتنی مضبوط مرے پاؤں کی زنجیریں ہیں

کاش اربابِ گلستاں کو نظر آجائیں
ورقِ گُل پہ جو اُبھری ہوئی تحریریں ہیں

اُن کو دُنیا میں بھلا کون بدل سکتا ہے
اپنے ہاتھوں میں جو لکھی ہوئی تقدیریں ہیں

جن کو بادیدۂ نم چاک کیا تھا میں نے
آج تک نقش مرے دل پہ وہ تحریریں ہیں

مستحق جن کا زمانے نے مجھے ٹھہرایا
اِن سزاؤں سے بھی بڑھ کر مری تقصیریں ہیں

بسترِ گُل سے سرِ دار و رسن تک اے دوست
مختلف کتنی مرے خواب کی تعبیریں ہیں

ہائے وہ چہرے بہاروں کو جو شرماتے تھے
حسرت و یاس کی منہ بولتی تصویریں ہیں

کیا کہوں کس کے تصوّر کا ہے فیضان افق
میرے اشعار میں رقصندہ جو تاثیریں ہیں

نئے اندھیرے زمانے کا کر رہے ہیں گھیراؤ
بلاکشانِ محبت اُٹھو چراغ جلاؤ

بنانا رنگ محل کا کوئی کمال نہیں
کمال جب ہے کہ پانی پہ کوئی نقش بناؤ

خدا ہی جانے اب انسانیت کا کیا ہوگا
ہر ایک سمت سے انسانیت پہ ہے پتھراؤ

یہ بندگانِ سیاست ہیں ان کے مشرب میں
بھڑکتی آگ پہ جائز ہے تیل کا چھڑکاؤ

اشعار

جب غمِ دہر نے فرصت دی ہے
ہم نے اک تازہ بلا سر لی ہے
کیا بتاؤں کہ تجسس میں ترے
کتنے دروازوں پہ دستک دی ہے
سارے دریاؤں کے لب سوکھ گئے
کس نے پانی کی تمنا کی ہے

ہر بات ہے جس کی غیر ممکن
وہ عالمِ ممکنات ہوں میں
خود اپنی تجلیوں میں گم ہوں
صحرا کی حسیں رات ہوں میں
کیا مجھ کو مٹائے گا زمانہ!
پروردۂ حادثات ہوں میں

آج کس نے مری جانب یہ گلِ تر پھینکا
کس نے ٹھہرے ہوئے پانی میں یہ پتھر پھینکا
میں تو اس شہرِ دل آویز میں بیگانہ ہوں
کس نے کاغذ پہ مرا نام یہ لکھ کر پھینکا
یار آور نہ ہوئی کوششِ تسخیرِ جنوں
عقل نے جال بہت سوچ سمجھ کر پھینکا

دہر سے اپنی وفاؤں کا صلہ مانگا ہے
ہم نے صحرا سے نشانِ کفِ پا مانگا ہے
شہرِ خوباں کی لرزتی ہوئی دیواروں سے
صلۂ سرخیِ خونِ شہدا مانگا ہے
اپنے پرچم کو بہر رنگ سجانے کے لیے
ہر قبا پوش سے کچھ رنگِ قبا مانگا ہے

ملتفت چشمِ فسوں ساز ہوئی جاتی ہے
زندگی دور کی آواز ہوئی جاتی ہے
بوئے گل لائی ہے پیغامِ رہائی جب سے
سلب کچھ طاقتِ پرواز ہوئی جاتی ہے
کون یہ بخیہ گرِ زخمِ تمنا ہے افق
انتہا عشق کی آغاز ہوئی جاتی ہے

کیا بتاؤں دلِ مجبور پہ کیا گزری ہے
آج نزدیک سے جب بادِ صبا گزری ہے
زندگی دہر کی پُرخار گزرگاہوں سے
صفتِ راہروِ آبلہ پا گزری ہے
مرکزِ فکر بنا جب بھی سفر کا انجام
میرے کانوں پہ گراں بانگِ درا گزری ہے

مغرور کرے اوج تو پستی اچھی
گمراہ کرے ہوش تو مستی اچھی
جس زہد سے ٹوٹے نہ طلسمِ پندار
اُس زہد سے اصنام پرستی اچھی

کانٹے سے کھٹک رہے ہیں دل میں اے دوست
شعلے سے لپک رہے ہیں دل میں اے دوست
اللہ رے ستم رانیِ آلامِ فراق
دوزخ سے دہک رہے ہیں دل میں اے دوست

ہزار انجمنِ حسن میں چراغ جلے
نخاں کہ پھر بھی اندھیرا رہا چراغ تلے
ہمارے ساتھ چلے کوئی، غیر ممکن ہے
جسے یقین نہ آئے ہمارے ساتھ چلے

یہی حیات یہی موجِ اضطراب کی رَو
کہیں تبسمِ گُل ہے کہیں چراغ کی لَو

سانس لینا بھی یہاں باعثِ دشواری ہے
بُوئے گُل کا وہی اندازِ سُبکساری ہے

رقص کرتا ہوا جب عہدِ شباب آتا ہے
جسم کی آنچ سے پتھر بھی پگھل جاتا ہے

آدابِ رہِ عشق سے بیگانہ نہیں ہے
زنجیر کے قابل ابھی دیوانہ نہیں ہے

ادراک کا کوئی داؤں چلتا ہی نہیں
دل ہے کہ کسی طور بہلتا ہی نہیں
جب بادِ سحر، بوئے چمن لاتی ہے
جب وحشتِ دل حد سے گزر جاتی ہے
ٹوٹی ہوئی زنجیر کی جھنکار کے ساتھ
دیوار کے گرنے کی صدا آتی ہے

جب اُن پہ پڑا جوشِ جنوں کا پرتو
گلگونۂ رخسار سے اٹھنے لگی لَو
رَم کرنے لگا شعلۂ احساس کا رنگ
شفاف جبیں پر صفتِ ماہِ نَو

پنہاں عرقِ جبیں میں تاروں کی دمک
آنکھوں میں شرابِ ارغوانی کی جھلک
بارِ نگہِ شوق سے لغزیدہ قدم!
جیسے شجرِ طور کی شاخوں میں لچک

انفاس میں کھوئی ہوئی خوشبوئے گلاب
رفتار میں صد مستیِ موجِ مئے ناب
احساس میں جاگے ہوئے اسرارِ فسوں!
گفتار میں سوئی ہوئی دُنیائے شباب

وہ چاندنی اور وہ لڑکھڑانا تیرا
دریا میں وہ نور کے نہانا تیرا
منقوش ہے لوحِ دل پہ مثلِ تصویر
اک بات پہ ہنس کے جھوم جانا تیرا

رُخِ آتشیں پہ بکھر گئے، جہاں اُن کے گیسوئے عنبریں
کبھی جھُوم جھوم گیا فلک، کبھی کانپ کانپ اُٹھی زمیں
وہ کسی کی بزمِ شباب ہو کہ سکوتِ عالمِ خواب ہو
ترے واسطے دلِ غمزدہ نہیں لمحہ بھر کو سکوں کہیں!
مجھے گریۂ شب و روز کا، نہ ملا صلہ تو کسی کو کیا
مرا خونِ دل، مری چشمِ تر، مرے اشکِ غم، مری آستیں
مجھے تشنہ کامیِ دل سے بس، یہی فکر رہتی ہے ہر نفس
اُفقِ آستانۂ غیر پر، کہیں جُھک نہ جائے مری جبیں

فریبِ دل اِن حقیقتوں کی، کسی کو شاید خبر نہیں ہے
وہاں جنوں کی قیادتیں ہیں، جہاں خرد کا گزر نہیں ہے
نقوشِ رسمِ وفا کو دل سے، مٹانے والے مٹائیں، لیکن
بناکے آئینہ توڑ دینا، مذاقِ آئینہ گر نہیں ہے
جمالِ روئے مبیں کی نسبت، مری نگاہوں کا فیصلہ کیا
نقابِ روئے مبیں کے آگے کوئی نظر معتبر نہیں ہے
ترے تصور میں آج ایسی بلندیوں سے گزر رہا ہوں
مری نظر کے سوا کسی کو، جہاں مجالِ نظر نہیں ہے

مولانا خواجہ معنی اجمیریؒ کی قبر پر فاتحہ
پڑھنے کے بعد

سو رہے تھے جو اپنے گھر کے سائبانوں میں
دب کے رہ گئے آخر وقت کی چٹانوں میں
آؤ غور سے دیکھو ہم بھلا چکے لوگو
کیسی کیسی لاشوں کو رکھ کے سردخانوں میں

سیّد سلطان احمد سلطان

مدّت سے ہے ویران مری کشتِ تمنّا
دوشیزہ گھٹا کاش! بہکتی ہوئی پہنچے

اس درجہ گراں گوش ہیں اِس دور کے احباب
پہنچے بھی اگر آہ تو تھکتی ہوئی پہنچے

کیا کہیے اُسے جس کے نہاں خانۂ دل تک
اُمید بھی دامن کو جھٹکتی ہوئی پہنچے

اس طرح بھی منزل پہ پہنچے ہیں مُسافر
جیسے کوئی آواز بھٹکتی ہوئی پہنچے

اُس شمع کی مانند رکھو عزمِ سفر تیز
جو صبح کی منزل پہ بھڑکتی ہوئی پہنچے

یہ شب و روز کے شکوے جو گراں گزرے ہیں
یہ شب و روز ابھی تم پہ کہاں گزرے ہیں

آج سے ختم ہوئی طنز نگاہی سب کی
آج وہ بھی مری جانب نگراں گزرے ہیں

چند لمحے کہ ہوئے ان کی نوازش کے اسیر
زندگی پہ صفتِ خوابِ گراں گزرے ہیں

دلِ پُر درد سے تا دامنِ جاناں مت پوچھ
کن مراحل سے مِرے اشکِ رواں گزرے ہیں

طلبِ ناموری کا مجھے الزام نہ دو
نامور کتنے ہی بے نام و نشاں گزرے ہیں

یہ کیا کہ ذہن میں کچھ فرض کر کے روٹھ گئے
میری سُنیں تو سہی آپ کچھ کہیں تو سہی
وہ جن کو دشت نوردی پہ ناز ہے اپنی!
وہ میرے ساتھ ذرا دو قدم چلیں تو سہی
گہر ہی کیا ہیں نچھاور کروں ستارے بھی
وہ اپنی راہ سے ہٹ کر ذرا ملیں تو سہی
یہ قافلے جو رُکیں ہیں، کہو کہ واپس ہوں
اگر یہ بڑھ نہیں سکتے تو پھر ہٹیں تو سہی
یہ چند پھول نگاہوں کو قید کرتے ہیں
ہم اِس چمن کی فضا ہی بدل نہ دیں تو سہی
جبینِ عشق کے جھکنے میں دیر ہی کیا ہے
اذانِ شوق پہ لبیک وہ کہیں تو سہی
اسیرِ حُسنِ چمن تو ہزار ملتے ہیں
امینِ بوئے چمن ہیں کہاں ملیں تو سہی

مہکے مہکے شب کے دھندلکے
کہہ دیں راز نہ اُس آنچل کے
ٹوٹ گرے دامن پہ ستارے
دیپ بجھا دو رنگ محل کے
دل اُمڈے اور آنکھ نہ بھیگے
ٹھیس لگے اور جام نہ چھلکے
دل میں رہے تک بات ہے اپنی
دُنیا کی ہے مُنہ سے نکل کے
یوں بھی رہے ہم بزم میں جیسے
پانی چاروں اور کنول کے
اُس کی بزمِ ناز ہے سلطاں
اور سنبھل کے اور سنبھل کے

کیف و مستی میں اے مرے ساقی
ہر ادا یادگار ہوتی ہے

تم نہیں ہوتے تو جانِ وفا!
زندگی بے قرار ہوتی ہے

دل کی بازی نہ کھیلیے اس میں
جیتنے پر بھی ہار ہوتی ہے

گیت سمجھے ہوئے ہو تم جس کو
وہ بھی دل کی پکار ہوتی ہے

اُن کے آنچل کی بات رہنے دو
ہر کلی راز دار ہوتی ہے

زلف جب مستی میں وہ بکھرا گئے
یہ زمین و آسماں سنولا گئے

مسکراہٹ سے تمنا جاگ اُٹھی
دل کے نغمے رنگ سا برسا گئے

دُور تک پہنچیں صدائیں جام کی
ابر آئے اور آ کر چھا گئے

بیٹھے بیٹھے میں تماشا بن گیا
باتوں باتوں میں یہ کیا فرما گئے

اُن کے جاتے ہی بھر آئی آنکھ بھی
دن کے چھپتے ہی ستارے آ گئے

رحمت کے سہارے بھی نہ اترائے مرا دل
اس درجہ گنہگار تو میں ہو نہیں سکتا

کیوں دیکھ کے حیران ہوئی جاتی ہے دنیا
نقشِ قدمِ یار تو میں ہو نہیں سکتا

میں ایک طرف اور ہیں سب دوسری جانب
خود اپنا طرف دار تو میں ہو نہیں سکتا

پتھر کے تراشے ہوئے اصنام کی مانند
مرہونِ پرستار تو میں ہو نہیں سکتا

جو آئے مقابل وہی تعظیم کو جھک جائے
تصویرِ درِ یار تو میں ہو نہیں سکتا

آگہی ان کو نہ کرتی بے چین
ہم کسی لمحہ تو غافل ہوتے

دل اگر دل نہیں ہوتے اے دوست
سنگریزے لبِ ساحل ہوتے

تیز گامی کی سزا ہے ورنہ
آج ہم بھی سرِ منزل ہوتے

ہم غلامی کے تو لائق نہ ہوئے
شہریاری کے ہی قابل ہوتے

چاند ہے اپنی جگہ خود تاریک
کاش ہم ان کے مقابل ہوتے

رقصِ وحشت جو گوارا نہ ہوا
اب میں سمجھا کہ سلاسل ہوتے

اشعار

کوئی گرداب نہیں ہے کوئی طوفاں بھی نہیں
بکن اے بحرِ طلب شوق کو ساحل تو ملے

کس ادا سے تری رحمت یہ صدا دیتی ہے
مانگنے والے سبھی ہیں کوئی سائل تو ملے

ہم نے کی ہے خرد آباد دماغوں کی بھی سیر
ایک بھی حل نہ ملا لاکھ مسائل تو ملے

مجھ سے رہبر بھی گلہ مند ہے اے ذوقِ سفر
اپنی منزل پہ یہ کہتا ہوں کہ منزل تو ملے

تم کہو شوق سے دیوانہ ہوں سودائی ہوں
کچھ بھی کہہ لو مگر اس دل کو فریبی نہ کہو

میں نے دنیا کو بہر رنگ ونظر دیکھا ہے
مجھ کو سمجھو، مجھے پابستۂ گیتی نہ کہو

جام بر کیف مجھے دیکھا ہے تو میکش جانو
ذوقِ مستی کو مرے بادہ فروشی نہ کہو

میرے آئینہ کو تم نے کبھی خذف جانا ہے
میری حیرت کو مری قیمتِ ہستی نہ کہو

اب کوئی خاک بسر تو نہیں آتا ہے نظر
آج سلطان اگر خاک نشیں ہے کیا ہے

تم کسی کے بھی نہیں ہو، نہیں تم سب کے ہو
یہ مرا حسنِ گماں ہے کہ یقیں ہے کیا ہے

نہ امیدیں، نہ تمنا، نہ تصور نہ خیال
میرا مصرف مجھے معلوم نہیں ہے کیا ہے

تیرے دل میں بھی تو سو قسم کے بت ہیں واعظ
میرے پہلو میں اگر ماہ جبیں ہے کیا ہے

پیچیدگی جادۂ منزل ترے نثار
گم کردہ راہ راہ نمائی پہ آ گئے

نا اہل تھے سمجھ نہ سکے شانِ بندگی
کرتے چلے گئے تو خدائی پہ آ گئے

ٹھہرے بس اتنی دیر کہ سمجھیں ہوا کا رخ
سو حرف اپنی آبلہ پائی پہ آ گئے

سلطان اب سمجھ گئے ہم آپ کا فریب
شاہی نہ کر سکے تو گدائی پہ آ گئے

یہ اُن کی شوخی کا اک نمونہ ملاحظہ ہو جو میں نے پوچھا
تمھیں محبت نہیں ہے مجھ سے تو ہنس کے فرمایا ہاں نہیں ہے
شراب لاؤ، رباب چھیڑو، غزل سناؤ، قریب آؤ
حسیں تصور کی انجمن ہے یہ شیشہ گر کی دکاں نہیں ہے

وہ بدل دیتے ہیں حالات اشارات کے ساتھ
جو بدل جاتے نہیں ہیں کبھی حالات کے ساتھ
یہ تہی دست جو خاموش نظر آتے ہیں
ان کے سینے میں بہت کچھ ہے خیالات کے ساتھ

وہ ایک بات کہ جس پر حیات جھوم اُٹھی
کہا کہ پھر وہی کہیے کہا نہیں کہتے
کہیں گے ہم تو اسے ذکرِ جلوۂ جاناں
بہار و باغ و شراب و صبا نہیں کہتے
چراغِ کشتۂ دامانِ یار کو سلطاں
خموش کہتے ہیں لیکن بجھا نہیں کہتے

ہر نفس ہے اندنوں آہنگ میں ڈوبا ہوا
ہوں خیالِ کاکلِ شب رنگ میں ڈوبا ہوا
اُس بُتِ سادہ کو دیکھا تھا کبھی ہم نے مگر
آج تک ہوں جلوۂ نیرنگ میں ڈوبا ہوا
مستیاں آنکھوں میں ہیں گو جلوۂ پاکیزہ کی
دل ہے لیکن بادۂ افرنگ میں ڈوبا ہوا

ترے معصوم تصور کی سزا ہے کہ حیات
وہ مہکتے ہوئے گیسو وہ مچلتی ہوئی رات
کچھ نہ کہنے کی تپش کچھ نہ سمجھنے کا جلال!
ایسی خلوت بھی قیامت کہ خموشی ہے نہ بات

میخانہ ہے میخانے میں ہر چیز ہے موجود
یہ جام یہ شیشہ یہ صراحی یہ سبو ہے
لیکن مجھے کیا کام سلامت رہے احساس
اتنے ہی پہ ہوں مست کہ ساقی مرا تو ہے

پناہ لے اپنے بازوؤں میں اگر سہاروں کی آرزو ہے
کریدِ خود اپنی خاکِ ہستی اگر شراروں کی آرزو ہے
دلِ بیاباں پسند خوش ہے ہماری آنکھوں کی دوپہر سے
مگر یہ دامانِ شوق اپنا جسے ستاروں کی آرزو ہے

اور مانجھیں نگہ کو اہلِ نگاہ
اہلِ دل اور دل کو صاف کریں
ہاں جواں ہوں مگر مآل شناس
آپ لِلّٰہ مجھے معاف کریں

نہ جانے پائے طلب اور اب کہاں ٹھہرے
صنم کدہ سے چلے تھے حرم سے گزرے ہیں
تری عطا کا بھرم کچھ یہی رکھیں تو رکھیں!
یہ بے نوا جو سرِ بیش و کم سے گزرے ہیں

مَیں اپنی راہ چلا جا رہا ہوں جانے دے
نہ دیکھ میری طرف بے حجاب نگاہوں سے
مجھے نہ روک سکیں گے ترے لطیف انداز
غرض نہیں تری نرم و گداز باہوں سے

سوزِ دروں سے دل میں چراغاں نہ ہوسکا
غم بھی رفیقِ شامِ غریباں نہ ہوسکا

کون کس کا محرم ہے کون کس کو پہچانے
یا دلِ تپاں سمجھے، یا تری نظر جانے
ایک دل سے وابستہ اس قدر تمنّائیں
اک چراغ پر گویا بے شمار پروانے
ایک میرے ہی سجدے اُس خرام پر کیا تھے
نقشِ پا کے جلوؤں سے جاگ اُٹھے صنم خانے

تہہ میں ہے راز کوئی عشق لبِ حُسنِ بجاں
کہتے کہتے جو کسی بات پہ ہم رُکتے ہیں!
ظلمتیں ہم نے بہت دیکھی ہیں لیکن اے دوست
اِس اندھیرے میں تو احساس کے دم رُکتے ہیں
پھر کوئی زخم نیا دل کو اُٹھانا ہوگا
رَاہ رواَب مری آواز پہ کم رُکتے ہیں
وحشتِ دُوریِ منزل، یہ اندھیرا، یہ رات
ان کے روکے سے بھلا اپنے قدم رُکتے ہیں

بل تو جائے گا تجھے اُن کی توجہ کا پیام
تیری مستی کے فسانے ہیں مگر جام بجام
دیدۂ و دل نہ سہی شمع تو ہے واقفِ حال
اس قدر آپ نہ پھیلائیے دامانِ کلام
ساغرِ گل کے لیے عام ہے شبنم کی شراب
میرے دو اشک بھی ہیں دامنِ ہستی پہ حرام

نہ جانے کتنے چراغوں کی آبرو کا مدار
ہے میری شمعِ تمنّا کے جگمگانے پر

جس دن سے دل ہوا ہے رہینِ نگاہِ دوست
اُس دن سے مجھ پہ گردشِ دوراں حرام ہے
اُس کی نوازشوں کے لیے کم ہے کائنات
اُس کی عطا پہ تنگیٔ داماں حرام ہے
اس عہدِ گل میں ترکِ مے و شاہد و چمن
سلطاں حرام ہے ارے سلطاں حرام ہے

کیا آپ کو مے سے بھی شغف ہے
لوگوں کا خیال ہے کچھ ایسا
ہر ایک ہو جس پہ دل سے مفتوں
اُن کا ہی جمال ہے کچھ ایسا
ان کے حضور عقل رخصت
اُن میں تو کمال ہے کچھ ایسا

وہ حکمرانیِ اہلِ جنوں بہ ملکِ جمال
وہ بزمِ خاص وہ منظر کسی کو کیا معلوم
زمانہ کا تو ہوں آغاز ہی سے منّت کش
مَیں خود ہوں اپنا ستم گر کسی کو کیا معلوم
یہ رَاہ رَو جو ترے ہم قدم ہیں اے راہی
یہ راہزن ہیں کہ رہبر کسی کو کیا معلوم
گزر چکی ہے جو سلطاں پہ کوئی کیا جانے
گزر رہی ہے جو دل پر کسی کو کیا معلوم

صبح بہار ہو کہ وہ شام خزاں ندیم
جلوے تمام اپنے ہی ذوقِ نہاں کے ہیں
اپنے لہو سے ہیں درودیوار لالہ رنگ
دامن بچا سکیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں
ہر آستاں سے بچ کے گزرتا چلا ہوں میں
خم ہوگا سر، یہیں یہ یہ سجدے جہاں کے ہیں

رنگ برسے نہ کیوں اِن آنکھوں سے
عمر گزری ہے خوش جمالوں میں!
کل جو تھے سر کردۂ اہلِ نیاز
آج ملتے ہیں ناز والوں میں

کس لیے لوٹ گئی منزلِ آخر سے حیات
مہرباں ہو کے مجھے تم نے پکارا تو نہیں
راس آیا نہ جسے دامنِ مژگاں اے دوست
وہ مرے بخت کا ٹوٹا ہوا تارا تو نہیں
کیوں گوارہ ہے مجھے ساغرِ زہرابِ الم
اس میں شامل تری نظروں کا اشارا تو نہیں

آدمی خاک بسر ہو کے بھی رکھتا ہے شرف
ایک پتھر کو بھی پوجو تو صنم ہوتا ہے
اُس کی تقدیر میں اک ساغرِ مے ہو یارب
جس کی تسکیں کو خرابات بھی کم ہوتا ہے
پہلے ہوتا تھا مجھے شدتِ غم کا احساس
اب مجھے شدتِ احساس کا غم ہوتا ہے

ستارے ڈوب چکے انتظار باقی ہے
چراغ بجھ بھی گئے اور خبر نہیں مجھ کو
ترا کرم کہ اٹھایا نقاب چہرے سے
مرا نصیب کہ تابِ نظر نہیں مجھ کو

ہم نے دیکھا ہے جھکائے ہوئے گردن ان کو
کوئی سر گردشِ ایام نہ اٹھنے پائے
چاہتا ہوں کہ کسی طرح تلافی کرلوں
تم کو یہ ضد ہے کہ الزام نہ اُٹھنے پائے
آہ کا ان پہ اثر ہونے لگا ہے شاید
درد بھی اے دلِ ناکام نہ اُٹھنے پائے
ٹوٹ ہی جائے تو اچھا ہے وہ پاؤں اے دوست
جو رہِ شوق میں اک گام نہ اُٹھنے پائے

یہ نہ کہیے کہ خم ہوئے خالی
تشنگی اور بڑھتی جاتی ہے
جیسے جیسے جلال بڑھتا ہے
دل کشی اور بڑھتی جاتی ہے
تم اُٹھاتے ہو بد دعا کو ہاتھ
زندگی اور بڑھتی جاتی ہے
پیرہن رنگ رنگ کے نہ پہن
سادگی اور بڑھتی جاتی ہے

اب فقط سوز نہیں نغمگیٔ ساز بھی ہے
میری آواز میں شامل تری آواز بھی ہے
تماز میں تو نہیں ہیں کہ بے خطر گزرو
سہم سہم کے اُٹھاؤ قدم کہ چھاؤں ہے

چھبیس جنوری

یہ دل میں جل ترنگ سا یہ میکدہ یہ چاندنی
مسرّتوں سے مست ہے یہ رنگ و بو کی زندگی
یہ اک نگاہِ ناز تھی جو دل کے پار ہو گئی
یہ سب درست ہمنشیں کہ خواب ہے نہ بیہوشی
سکونِ دل مگر کہاں ؟ سکونِ دل تلاش کر

یہ کارواں کی زندگی یہ زندگی کا کارواں
یہ داستاں کی لذتیں یہ لذتوں کی داستاں
گھٹا گھٹا دھواں نہیں کہ پھٹ چکا ہے آسماں
یہ سب درست ہمنشیں کہ آرزو ہے اب جواں
سکونِ دل مگر کہاں ؟ سکونِ دل تلاش کر

غمِ نگاہ و دل نہیں غمِ زمانہ ہی سہی
کسی طرح تو چین ہو شراب خانہ ہی سہی
حقیقتیں نہ مل سکیں تو پھر فسانہ ہی سہی
یہ سب درست ہمنشیں کوئی بہانہ ہی سہی
سکونِ دل مگر کہاں ؟ سکونِ دل تلاش کر

ہجومِ رہگزار پر عجیب ہیں یہ منچلے
کہ ان کے ہونٹ خشک ہیں یا جھومتے ہیں بے پیے
دلوں میں روشنی نہیں مگر چھتوں پہ ہیں دیے
یہ سب درست ہمنشیں کہ غم کسی طرح تو مرے
سکونِ دل مگر کہاں ؟ سکونِ دل تلاش کر

جو سوچتے ہیں اہلِ دل وہ اب بھی زیرِ غور ہے
شراب گرچہ ہے وہی مگر یہ جام اور ہے
عجب نظر کا رنگ ہے عجیب دل کا طور ہے
یہ سب درست ہمنشیں کہ اپنا ہی یہ دور ہے
سکونِ دل مگر کہاں ؟ سکونِ دل تلاش کر

سیّد فضل المتین

وہ زیست جو لذّت کشِ آلام رہی ہے
وہ زیست ترے نام سے منسوب ہوئی ہے

کیوں ہجر کی شب مہکی، ترے قرب کی خوشبو
کیا کوئی کلی یاد کے گلشن میں کھِلی ہے

اے گزرے ہوئے لمحو، کوئی نقش ابھارو
آئینۂ تخئیل پہ اب گرد جمی ہے!

روداد غمِ دل میں سناؤں تجھے کیوں کر
مَیں دیکھ رہا ہوں تری آنکھوں میں نمی ہے

مدّت سے کسی درد کا تحفہ نہیں آیا
کیا گردشِ ایّام تجھے بھول گئی ہے

مے لاؤ، غزل گاؤ، قریب آؤ، شبِ ماہ
شرمندہ نگاہوں سے تمہیں دیکھ رہی ہے

ہے اوّلِ شب بزم میں رنگ آخرِ شب کا
کیا شمع کوئی وقت سے پہلے ہی بجھی ہے

نکلی ہے جب کبھی ترے بندِ قبا کی بات
دامن کو چاک کرنے لگے ہیں جنوں کے ہات

اک اجنبی کی طرح ملے ہیں وہ ہم سے آج
کہنے پڑیں گے عہدِ گزشتہ کے واقعات

یادوں کے ماہتاب، تمنّاؤں کے نجوم
ثابت ہوئے تمام شبِ ہجر بے ثبات

دیتا رہا ہوں میں جنھیں تیرے ستم کا نام
یاد آ رہی ہیں اب وہی پچھلی نوازشات

تنہائیوں میں ہجر کی یاد آ گیا ہے کون
کھِلنے لگے ہیں زخم، مہکنے لگی ہے رات

اپنی وفا کا ہم کو صلہ کیا ملے متین
پہچانتی نہیں ہے ہمیں چشمِ التفات

رازِ محبت افشا ہوگا
محفل محفل چرچا ہوگا

یونہی تم کو چاہا نہیں ہے
ہم نے بھی کچھ سوچا ہوگا

تم جو یونہی خاموش رہوگے
بات بڑھے گی چرچا ہوگا

ترکِ تعلق کا ہے ارادہ
آج تو ان کو آنا ہوگا

دیکھیں گے ہم شہروں شہروں
کوئی تو آخر تم سا ہوگا

کیسی آہٹ، کوئی نہیں ہے
سوکھا پتّہ کھڑکا ہوگا

ساحل پر خاموشی کیسی
کوئی سفینہ ڈوبا ہوگا

٥

جو بات کہنی ہے مجھ کو وہ کہنے والا ہوں
کسی کے خوف سے کب چُپ میں رہنے والا ہوں

کہاں کہاں مجھے روکوگے، بند باندھوگے
میں چڑھتا دریا ہوں، ہر سمت بہنے والا ہوں

تمھارے چاہنے والوں سے میں بھی واقف ہوں
تمھارا درد میں تنہا ہی سہنے والا ہوں

مری بھی بات سنو! میری شکل پہچانو
تمھارے شہر کا اک میں بھی رہنے والا ہوں

ہر ایک شخص ندامت سے سرنگوں ہوگا
بڑے سلیقے سے وہ بات کہنے والا ہوں

زمانہ کوئی سزا دے کہ کہہ دے دیوانہ
متین میں کہاں خاموش رہنے والا ہوں

خواہشوں سے ہوا زوال مرا
جینا ہو کر رہا وبال مرا

روز جیتا ہوں، روز مرتا ہوں
دیکھتے جاؤ تم کمال مرا

مَیں ہی جب خود کو بھول بیٹھا ہوں
کون رکھے گا اب خیال مرا

روز و شب جن سے تھیں ملاقاتیں
ان سے ملنا ہوا محال مرا

بات اپنی سُنا، ہے کیا صورت
مجھ سے مت پوچھ کیا ہے حال مرا

کون دے گا، جواب میرا متینؔ
ہو گا شرمندہ کیا سوال مرا

تیرا ہی عکس، تیرا ہی جمال ہے مجھ میں
تو دیکھ، غور سے تیرا کمال ہے مجھ میں

مَیں آئینہ ہوں، ترے روبرو نہ کیوں آؤں
ترا غرور ہے، تیرا جلال ہے مجھ میں

مَیں تیرے عہد کی تاریخ ہوں، گواہی ہوں
ترا عروج ہے، تیرا زوال ہے مجھ میں

مرا وجود، تری ذات سے عبارت ہے
ترا جواب ہے، تیرا سوال ہے مجھ میں

مَیں تیرے عشق کی رُوداد ہوں، تعارف ہوں
ترا فراق ہے، تیرا وصال ہے مجھ میں

کہاں سے صورتِ حالات کی شہادت دُوں
متینؔ اس کا ہر اک حال چال ہے مجھ میں

تم کیونکر بھید چھپاؤ گی؟

یہ چپ چپ ہونٹ بتا دیں گے یہ نیچی نگاہیں کہہ دیں گی
کچھ یہ دل بھی بولے گا کچھ ٹھنڈی آہیں کہہ دیں گی
کچھ آپ سمجھ لے گی دنیا! تم کیسے بھید چھپاؤ گی
تم کیسے بھید چھپاؤ گی؟ تم کیونکر بھید چھپاؤ گی

اس سہمی سہمی سسکی کا، ان بہکی بہکی باتوں کا
ان سمٹی سمٹی پلکوں کا، ان جھپکی جھپکی نظروں کا
پوچھے گا کوئی جب تم سے پتہ جھنجلاؤ گی شرماؤ گی
تم کیسے بھید چھپاؤ گی؟ تم کیونکر بھید چھپاؤ گی

جب شوخ ہوائیں چھیڑیں گی پھولوں کو چمن میں جا جا کر
جب آنسو بہائے گی بلبل کچھ درد کے نغمے گا گا کر
جب پی پی پپیہا بولے گا تب شوق سے کچھ تم گاؤ گی
تم کیسے بھید چھپاؤ گی؟ تم کیونکر بھید چھپاؤ گی

ہاں! تم تو بہت بھولی ہو مگر یہ دُنیا تو نادان نہیں
ہاں! تم تو محبت کیا جانو! دُنیا تو مگر انجان نہیں
اک پیار کی خاطر یاد رکھو! سَو جھوٹی قسمیں کھاؤ گی
تم کیسے بھید چھپاؤ گی؟ تم کیونکر بھید چھپاؤ گی

پھر جب پہلی بار ملیں، ہم سامنے اپنے لائیں گے
ہم شوق کا نغمہ چھیڑیں گے ہم پریت کا گانا گائیں گے
تم، پہلے ذرا شرماؤ گی! پھر شرم کی لے پر گاؤ گی!
تم کیسے بھید چھپاؤ گی؟ تم کیونکر بھید چھپاؤ گی

پھر یاد رکھو! ہاں یاد رکھو! اک ایسی منزل آئے گی
جب رنگ محبت بھی اپنا اُس دُنیا کو دکھلائے گی
مَیں حسن میں گم ہو جاؤں گا، تم عشق میں گم ہو جاؤ گی
تم کیسے بھید چھپاؤ گی؟ تم کیونکر بھید چھپاؤ گی

بدگمان

بہار کے دن گزر گئے ہیں
مہکتی رنگیں فضا کا کوئی نشاں نہیں ہے
اُداس صبحیں ——— اُداس شامیں

ستم رسیدہ ایک عندلیبِ فسردہ غمگیں
اکیلی بیٹھی
فراقِ گل میں ہے نوحہ برلب
سنا رہی ہے
گزشتہ ایام کے فسانے
چمن کی رنگین داستانیں
وصالِ محبوب کی کہانی

اک عندلیبِ فسردہ غمگیں
اکیلی بیٹھی
خزاں زدہ گرد و پیش کی ترجمان ہو کر
تمام دُنیا سے بدگماں ہے
تمام دنیا سے بدگماں ہے

انتباہ

مثلِ موجِ ہوا
عمر کی منزلوں سے گزرتا ہوا
زندگی کو پرکھتا، سمجھتا ہوا
شہر در شہر بھٹکا ہوں میں
جب لکھوں گا کبھی —— داستانِ سفر
کتنے پُرپیچ، کھوئے ہوئے راستوں کے نشاں
جگمگائیں گے، پُرنور ہو جائیں گے
کتنے معروف، گم کردہ رَہ —— راہبر
نامور ہو کے بے نام ہو جائیں گے
کتنے معصوم، انجان، گمراہ رو
جاوداں ہوں گے، مشہور ہو جائیں گے
اور اس داستانِ سفر کا، کبھی
ذکر چھیڑیں گے جب —— ہم سفر —— اپنے انداز میں
رہ نہ پائے گی اِک بات بھی راز میں

انجام

چمکتا ہوا گرم سورج پگھلنے لگا ہے
جھکا آرہا ہے
زمیں رقص کرتی ہوئی دھنس رہی ہے
ہٹی جا رہی ہے
اب انجام اپنا نظر آرہا ہے

شہر کی بھیڑ میں

اپنے کمرے کی تنہائیاں پہن کر
اب / کہاں، جاؤں / میں
چہرہ چہرہ، اسے دیکھنے کے لیے
شہر کی بھیڑ میں

زندگی

شہر میں
راگ ہے
رنگ ہے
روپ ہے
زندگی
میرے کمرے میں ہے

○

ہمارے بعد / تم / آئے
تو / کیا لائے؟
وہی / شام وسحر کی گردشوں سے / آشنا چہرے
وہی / ہم، تم

اشعار

جن کا کوئی جواز میسّر نہیں ہوا!
لکھّے گئے ہیں، جرم، کچھ ایسے بھی اپنے نام

کون جذبات کے شعلوں میں جھلستا ہے مجھے
کون افکارِ پریشاں کی طرح چھایا ہے

ہم سنگِ گراں ہیں، خس و خاشاک ہیں، کیا ہیں
معلوم ہو! پہلے کوئی سیلاب تو دیکھے

ہر ایک بزم میں تنہا دکھائی دیتے ہو
نتیجہ دیکھ لیا سب سے جنگ کرنے کا

رہے ہیں، وقت کے ہر دم مزاج داں بن کر
خیالِ گردشِ دوراں ہم اور کیا کرتے

جب کر ہی لیا، ترکِ تعلّق کا ارادہ
اچھا ہے کہ گزری ہوئی باتیں نہ دِلا یاد

وہ قافلے کہ جن سے عبارت تھیں منزلیں!
پوچھیں کچھ ان کا حال جو گردِ سفر ملے

فریب کار، تری ذات ہے زمانہ ساز
ترا ضمیر مرے حق میں کیا گواہی دے
فضول ملنے سے حاصل خراب وقت نہ کر
جو راہ و رسم ہے باقی اسے اٹھا ہی دے

ہر طرف ہے سکوتِ غم طاری
داستاں کیا سنا رہی ہے رات
کتنے سنسان راستے ہیں متین
کتنی چپ چاپ جا رہی ہے رات

نظر اُٹھے تو بتائیں ایاغ رکھتے ہیں
ہوا چلے تو دکھائیں چراغ رکھتے ہیں

متین ہم ہیں نئے دَور کے وہ دل والے
جو اپنی آنکھ اور اپنا دماغ رکھتے ہیں

ایسا حاصل ہوا کمال ہمیں
دیکھنا پڑ گیا زوال ہمیں

نظر کو ایسی حسیں معجزہ نمائی دے
ترے سوا نہ کوئی اور اب دکھائی دے

ہم اعتبار کریں اُس کا کس توقع پر
سبھی نے دیکھا ہمیشہ اُسے مکرتے ہوئے

رکھتے ہیں اپنے ساتھ حوادث کے تجربے
اے گردشِ حیات ترے ہم سفر ہیں ہم

کر لیا ترکِ تعلق تو متین
کیا کرو گے وہ اگر یاد آیا

عمرِ رفتہ قیدِ جہاں ہے
ماضی کے اس غار میں جھانکیں

اپنے پرائے ہر اک کو اب جان رہا ہوں
اپنی ہی پہچان مگر میں بھول گیا ہوں

میری خاموشی کو سمجھے ہو شکستِ احساس
ایسے حالات تو طوفاں کا پتہ دیتے ہیں

مجرمِ وقت ٹھہرتے ہیں زمانے کے حضور
دیدۂ فکر جو بھولے سے بھی وا کرتے ہیں

حرفِ وفا زبان پہ دل میں کدورتیں
اپنا جواب آپ ہیں یارانِ نیک نام

سب زور تیرا گردشِ دوراں نکل گیا
حالاتِ زندگی، غمِ جاناں بدل گیا

سید امتیاز علی خُورشید اجمیری

یہ لیے رہی خیالِ جاناں مزاج دل پر گراں نہیں ہے
خیالِ جاناں سے ہے تو نسبت بجا کہ وہ مہرباں نہیں ہے

غمِ محبت، غمِ اسیری، غمِ زمانہ، غمِ دو عالم!
جو زندگی اس طرح بسر ہو وہ زندگی رائیگاں نہیں ہے

وہ اک تبسم لطیف و رعنا حسین و دلکش نفیس و رنگیں
گلوں میں یہ خوبیاں کہاں ہیں یہ صورتِ کہکشاں نہیں ہے

خیال برہم، حواس برہم، نگاہ برہم، ادھر وہ برہم
مگر محبت ترے تصدق دلِ حزیں بد گماں نہیں ہے

نہ وہ اُمیدیں، نہ وہ اُمنگیں، نہ وہ طبیعت نہ وہ زمانہ
نگاہ پھیری ہے جب سے تم نے خزاں سے کم گلستاں نہیں ہے

اذیتیں ہیں نفس نفس پر مصیبتیں ہیں قدم قدم پر
مگر محبت ہے پھر محبت خیالِ سُود و زیاں نہیں ہے

نمی سی آنکھوں میں آرہی وہ دل سنبھالے ہوئے ہیں اپنا
ابھی تو عنوانِ داستاں ہے حقیقتاً داستاں نہیں ہے

ہر ایک ذرہ دمک اٹھا ہے زمیں منور فلک درخشاں
ضیائے خورشید جلوہ فرما جہاں میں کہیے کہاں نہیں ہے

جب کہ رندانِ خرابات بدل جاتے ہیں
دیر و کعبہ کے مقامات بدل جاتے ہیں

اِس گھڑی برہمیِ نظمِ دو عالم مت پوچھ
جب ملاقات کے اوقات بدل جاتے ہیں

ان کی جادو نگہی کا یہ کرشمہ دیکھا
دیکھتے دیکھتے حالات بدل جاتے ہیں

تیری خاموشیِ پیہم تو بجا ہے لیکن
ایسے عالم میں خیالات بدل جاتے ہیں

وسعتِ دامنِ دل چاہیے ورنہ کیونکر
رنگِ خورشید میں ذرات بدل جاتے ہیں

نسبت نامہ و پیغام سے آگے نہ بڑھی
یہ مسرت غم و آلام سے آگے نہ بڑھی

گردشِ جام سے اُٹھے کبھی طوفان بہت
گردشِ جام کبھی جام سے آگے نہ بڑھی

عشق نے کر لیا طے مرحلۂ فکر و نظر
عقل اپنی روشِ عام سے آگے نہ بڑھی

نسبتیں تیری خدا جانے کہاں تک پہنچیں
بندگی کعبۂ و اصنام سے آگے نہ بڑھی

امتحاناتِ دو عالم تھے مجھی تک قائم!
کوئی بربادی مرے نام سے آگے نہ بڑھی

تجھ سے اُمیدِ ضیا ظلمتِ شب میں خورشید
روشنی جبکہ تری شام سے آگے نہ بڑھی

تیری حسرت بھی اُمیدِ خام ہو کر رہ گئی
زندگی وقفِ غم و آلام ہو کر رہ گئی

آفتابی رُخ پہ یوں ڈالا ہے زلفوں کا نقاب
غم نصیبوں کی سحر بھی شام ہو کر رہ گئی

اللہ اللہ یہ جنونِ عشق کی رعنائیاں
زندگی سر تا بپا بدنام ہو کر رہ گئی

اے جنونِ عشق کچھ تو ہی بدل نظمِ جہاں
اہلِ دانش کی روش تو عام ہو کر رہ گئی

مدھ بھری آنکھوں کا اندازِ توجہ کیا کہوں
ہر کلی میرے چمن کی جام ہو کر رہ گئی

اس سے بڑھ کر اور کیا ملتا وفاؤں کا صلہ
ساری بربادی ہمارے نام ہو کر رہ گئی

اے مرے خورشید تو تھک کر ذرا بیٹھا جہاں
اہلِ عالم کی وہیں پر شام ہو کر رہ گئی

اشعار

مانا کہ تغافل شیوا ہے لیکن یہ کہاں تک زیبا ہے
اے مست نظر کچھ ہوش بھی ہے کیا حال ہے اب دیوانوں کا

دل سوزِ ادا کی بجھ کو قسم اے شمعِ حقیقت سامنے آ
کم گرمیٔ محفل ہونے لگی دل بجھنے لگا پروانوں کا

یہ رنگِ عبادت کیا کہنا یوں محو ہوں یادِ جاناں میں
کام اشکوں سے لیتا جاتا ہوں تسبیح کے سارے دانوں کا

خورشید فضائے عالم پر یوں عشق ہمارا چھایا ہے
ہے ذکر کہیں حسرت کا مری ہے قصہ کہیں ارمانوں کا

ہے موسمِ بہاراں منظر ہیں دل کشی کے
ایسے میں تم نہ برتو انداز بے رخی کے

یہ تلخیٔ حوادث کیا نشہ کم کرے گی
بہکے ہیں ہم تو ساقی تیری نظر سے پی کے

اب تیرے سنگِ در کو لے کر جبیں اٹھے گی
انداز کہہ رہے ہیں یہ ذوقِ بندگی کے

خورشید پھر سے اٹھ کر مشرق کی چوٹیوں سے
پیغام دے رہا ہے پھولوں کو تازگی کے

یہ شادابی یہ رنگینی کہیں پائی نہیں جاتی!
تری صورت کسی تمثیل میں لائی نہیں جاتی!

تعلق دخترِ رز سے توڑنا زاہد قیامت ہے
یہ جنّتِ زندگی میں ہم سے ٹھکرائی نہیں جاتی!

خدا رکھے مری مایوسیوں کا اب یہ عالم ہے
طبیعت اب ترے غم سے بھی بہلائی نہیں جاتی

نہیں ہوتی کبھی پوری مرادِ دل نہیں ہوتی
تمھارے دردمندوں کو خوشی حاصل نہیں ہوتی

نگاہِ ناز کا دل سے تصادم ہو ہی جاتا ہے
کہ یہ اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں ہوتی!

ذرا سی ٹھیس لگتے ہی یہ شیشہ ٹوٹ جاتا ہے
مگر حیرت ہے آوازِ شکستہ دل نہیں ہوتی

اشعار

زندگی ہے جستجو میں تیرے کھو جانے کا نام
موت ہے ناکامیِ پیہم سے گھبرانے کا نام
کس قدر محسوس ہوتی ہے بھیانک زندگی
آپ جیسے لیتے ہیں میرے پاس سے جانے کا نام

خرد کی راہ سے ہٹ کر پتہ ملتا ہے منزل کا
یہ کیا سمجھا رہی ہے اے مری دیوانگی مجھ کو
لباسِ ماتمی اُس کو بھی پہنا اے سیہ بختی
شبِ غم میں بری لگتی ہے بے حد چاندنی مجھ کو

حدِ منزل پہ پہنچنے کے لیے جوشِ جنوں
اور اک مرحلۂ دار و رسن باقی ہے

کارگہِ عشق میں مشکل بھی آسانی بھی ہے
راحتیں بھی ہیں ترے غم میں پریشانی بھی ہے

نیا دور

چین کی بنسی بج کے رہے گی
پریم کی دیوی سج کے رہے گی
آشاؤں کے پھول کھلیں گے
من مندر میں دیپ جلیں گے
دُکھیارے دل سکھ میں رہیں گے
چین کی بنسی بج کے رہے گی
پریم کی دیوی سج کے رہے گی
فصلِ بہاراں آکے رہے گی
اپنا چمن مہکا کے رہے گی
گل سے کلی شرما کے رہے گی
چین کی بنسی بج کے رہے گی
پریم کی دیوی سج کے رہے گی
مے برسے گی ابر اٹھیں گے
کلیاں کھلیں گی پھول ہنسیں گے
بھنورا تتلی عیش کریں گے

چین کی بنسی بج کے رہے گی
پریم کی دیوی سج کے رہے گی
پھر سے درِ میخانہ کھلے گا
دورِ مئے اخلاق چلے گا
شوق سے پھر میخوار پیے گا
چین کی بنسی بج کے رہے گی
پریم کی دیوی سج کے رہے گی
بھٹکے ہوئے دل مل کے رہیں گے
گل سے عنادل مل کے رہیں گے
کشتی سے ساحل مل کے رہیں گے
چین کی بنسی بج کے رہے گی
پریم کی دیوی سج کے رہے گی
مٹ کے رہے گا ظلم و تشدّد
مٹ کے رہے گا دل سے تردّد
گھٹ کے رہے گی شانِ تمرّد
چین کے بنسی بج کے رہے گی
پریم کی دیوی سج کے رہے گی
پوجی پتی انسان بنیں گے
مزدوروں کی جان بنیں گے
چھوٹے بڑے دھنوان بنیں گے
چین کی بنسی بج کے رہے گی
پریم کی دیوی سج کے رہے گی

سارا آتنکبر گھٹ کے رہے گا
سرمایہ سب بٹ کے رہے گا
کالا بادل چھٹ کے رہے گا
چین کی بنسی بج کے رہے گی
پریم کی دیوی سج کے رہے گی
عشق کے چرچے منزل منزل
حسن کے جلوے ساحل ساحل
انس و محبت محفل محفل
چین کی بنسی بج کے رہے گی
پریم کی دیوی سج کے رہے گی
رات سہانی دن اجیارے
تجھ بن ہیں بے کیف نظارے
آجا تجھے خورشید پکارے
چین کی بنسی بج کے رہے گی
پریم کی دیوی سج کے رہے گی

موھن سروپ سیرتؔ اجمیری

دل تو پکا تھا مگر دل کی دلیلیں کچی
لے گریں پختہ عمارت کو فصیلیں کچی

آ گئے زنگ کے دھوکے میں زمانے والے
سُرخ پھولوں پہ چھپی رہیں چیلیں کچی

آ گئی بات سرِ بزم زباں پر دل کی
ٹوٹے ہونٹوں پہ جڑیں ضبط کی کیلیں کچی

گچھے انگور کی اک بیل، بدن ہے اس کا
اور آنکھیں ہیں مئے ناب کی جھیلیں کچی

لے اڑے ابر کے ٹکڑوں کو ہوا کے جھونکے
سوکھ کر بیٹھ گئیں خاک میں جھیلیں کچی

پھر پلٹ آئیں گے سیرتؔ یہ جنوں کے موسم
دھجیاں جیب و گریباں کی سی لیں کچی

الفاظ ہیں یہ سارے اُسی کی زبان کے
پہچانتا ہوں تیر میں اُس کی کمان کے

ہر بوند پہ گمان تھا موتی کی آب کا
آنکھوں میں اشک آئے بڑی آن بان کے

ہر ہر ادا و ناز کی قیمت تھے جان و دل
سودے بہت ہی مہنگے تھے اس کی دکان کے

اُس کے عجب سوال تھے میرے عجیب جواب
پرچے سبھی خراب ہوئے امتحان کے

غم سے زیادہ اور نہ بہتر لگا کوئی
عنوان سینکڑوں تھے مری داستان کے

کس سادگی سے اس نے یہ سیرتؔ کہا مجھے
تارے بھی توڑ سکتے ہو کیا آسمان کے

زخم اَب دل کے چمک دیتے ہیں ہیروں کی طرح
ہم ترے شہر میں رہتے ہیں امیروں کی طرح

کر دیا قید ہمیں وقت کی دیواروں نے
ورنہ ہم لوگ بھی تھے چھوٹے تیروں کی طرح

شام کو ڈوبتے سُورج کی چمکتی سُرخی!
دُور تک پھیل گئی خونی جزیروں کی طرح

جب بھی آتی ہے کوئی فِتنہ جگا دیتی ہے
تیری مسکان ترے لب پہ شریروں کی طرح

یہ ملا مجھ کو صِلہ میری وفا کا حسرت
لکھ دیا نام مرا اُس نے لکیروں کی طرح

اشعار

وہ کھینچنے ہی والا تھا میری زبان کو
میں نے ادھورا چھوڑ دیا داستان کو

منظر تمام پھر گئے آنکھوں کے سامنے
اُس نے عجیب موڑ دیا تھا بیان کو

بارش کا زور ہے کہیں شدت کی دھوپ ہے
سیرتؔ تلاش کر لو کسی سائبان کو

کرنا تھا وقت زمانے کو آزماتے کیا
نہیں تھا تیل چراغوں میں ہم جلاتے کیا

شکستہ پر ہیں تو جکڑا ہے وقت نے ہم کو
ہوا کے دوش پہ ہوتے تو ہاتھ آتے کیا

بہت سے لوگ ہمیں پڑھ رہے تھے اے سیرتؔ
کھلی کتاب تھے لیکن سمجھ میں آتے کیا

ترے نگر کا یہ رستہ دکھائی دیتا ہے
مرا ہی نقشِ کفِ پا دکھائی دیتا ہے

مرے قریب سے گزری ہے بارہا دُنیا
بہت اُداس ہے ایسا دکھائی دیتا ہے

یہاں سُنا ہے سمندر تھا کچھ دنوں پہلے
اب ایک خاک کا صحرا دکھائی دیتا ہے

وہ عکس دیکھ کے شیشہ میں بات کرتا تھا
ہمارے سامنے ہوتا تو بات بھی ہوتی

تمہارے شہر میں مانا کہ اجنبیت تھی
سبھی پرائے تھے، ہم نے تو بات کی ہوتی

خطا معاف، یہ انصاف کا تقاضہ تھا
سنی تھی اُس نے تو میری بھی کچھ سُنی ہوتی

ایسے بھی ہیں خیال کہ جن کا نہیں وجود
پرچھائیوں میں مت کوئی پیکر تلاش کر

سفینہ چھوڑ کے آیا ہے ناخدا کیسے
اسے تو شرم سے پانی میں ڈوب جانا تھا

پُرخار راستے ہی کچھ اچھے لگے ہمیں
پھولوں کو روندتے ہوئے چلنا محال تھا

پہلے ہی شرمسار تھا اپنے کیے پہ وہ
کچھ اُس کو سیلِ اشکِ ندامت ڈبو گیا

پھر مری آنکھوں کو ہے افسردہ لمحوں کی تلاش
آنسوؤں نے کب سے دامن پر لکھا کچھ بھی نہیں

نہ کر شمار کہ زخموں کا کچھ حساب نہیں
یہ میرا دل ہے کوئی مختصر کتاب نہیں

اک موج آس کی ہمیں ساحل پہ لے گئی!
طوفاں دھرا ہی رہ گیا دریائے یاس میں

پہنچا جو اُس کے پاس تو نکلا مرا خیال
اُس کا وجود میری نظر کا سراب تھا

شہرِ الفت میں پھروں تیری صدا ہو جاؤں
تو جو پکڑے مرا دامن تو وفا ہو جاؤں
عکس روپوش ہوئے ٹوٹ گئے سب شیشے
بس مرا نقش بچا ہے مَیں ہَوا ہو جاؤں

وہ شخص جس پہ مجھے اعتمادِ کامل ہے
گماں کی راہ سے ہو کر گزر نہ جائے کہیں
تجھے پکار تو لیتا مگر یہ ڈر بھی تھا
مری صدا کی طرح تو بکھر نہ جائے کہیں

لے کے انگڑائی حصارِ جسم سے باہر نکل!
سامنے آنے دے اپنے جسم کا محشر چھپا!
اپنے ہونٹوں پہ تبسم کی لکیریں کھینچ کر
اپنے دل کی تلخیاں دیتا ہے وہ اکثر چھپا

آپ ہی کہیے میں ہوں اب کس قدر ان کو عزیز
وہ خدا کو بھول کر میری قسم کھانے لگے

شہروں سے لوگ آئے تھے جنگل میں ایک دن
جلتا سگار پھینک گئے خشک گھاس میں!

جانے دو سیرت اُسے مت روکو، مت آواز دو
جانے والا کون سا میرا مقدر لے گیا

رکھنا ہو مجھ کو پاس تو ترکش میں ڈال لے
چھوٹا کمان سے تو میں واپس نہ آؤں گا

زمانے بھر کی وہ دیتا ہے اُلجھنیں سیرت
مزہ تو جب ہے کہ ان الجھنوں کا حل بھی دے

جمیل قریشی

ابتدا میں انتہا سے باخبر میں نے کیا
اس طرح اس داستاں کو مختصر میں نے کیا

جن کو دعویٰ تھا وہ پہلے ہی قدم پر گر گئے
دھار پر تلوار کی تنہا سفر میں نے کیا

کب ٹھہرتی تھیں نگاہیں اس ہجوم رنگ پر
وہ نظر آیا تو خود کو بے نظر میں نے کیا

دکھ ہے مجھ کو کیوں ہوا جھوٹی انا کا میں شکار
بے سبب اس بزم دل کو جیتِ تر میں نے کیا

اس کی پیشانی پہ لکھّی تھیں وفا کی آیتیں
ثبت اک بوسہ صحیفہ جان کر میں نے کیا

اس نے مجھ کو کر دیا بے نام و بے چہرہ تو پھر
اس کی تصویریں ہٹا کر صاف گھر میں نے کیا

امیر ہو کر غریب پرور مجھے ملا وہ
صدا جو دی تو ہر ایک در پر مجھے ملا وہ

تہہِ سمندر سبھی صدف بے گہر پڑے تھے
دبائے مٹھی میں سارے گوہر مجھے ملا وہ

پسِ شفق مہربان سورج تھا سردیوں کا
حنائی ہاتھوں میں منہ چھپا کر مجھے ملا وہ

شکستہ دل ہو چکا تھا جب میں ہزیمتوں سے
لیے نئے حوصلوں کا لشکر مجھے ملا وہ

اگر وہ رکتا تو وقت کو ساتھ روک لیتا
قدم قدم پر اٹھائے محشر مجھے ملا وہ

اپنے گھر سے جو کبھی وہ شبِ وعدہ نکلے
چاند اوڑھے ہوئے بادل کا لبادہ نکلے

زہر کا ذائقہ سہنے کو زباں پر اپنی
کون جز میرے سرِ محفلِ اعدا نکلے

وقت تھم جائے ہوا شہر کی پاگل ہو جائے
وہ پہن کر بھی اگر جامۂ سادا نکلے

اس نے ہونٹوں پہ سجالی ہے تبسم کی لکیر
ہم بھی دل میں لیے مرنے کا ارادہ نکلے

تم نے دیکھا ہی کہاں اُن کا سراپا جمیل
وہ تو تخییل کی حد سے بھی زیادہ نکلے

دراز دست کو دستِ عطا کہیں نہ ملا
بخیل شہر تھا حاجت روا کہیں نہ ملا

فصیلِ شب پہ سحر کا دیا جلاتا کون
کہ کوئی شخص مجھے جاگتا کہیں نہ ملا

لہو کی آگ تھی روشن ہر اک ہتھیلی پر
کسی بھی ہاتھ پہ رنگِ حنا کہیں نہ ملا

گرا خود اپنی نظر سے تو پوچھتا پھر کون
خودی گنوائی تو مجھ کو خدا کہیں نہ ملا

سبھی ہیں اپنے خداؤں سے بدگماں یہاں
کسی زباں پہ حرفِ دعا کہیں نہ ملا

کوئی سراغ سمتِ سفر کا وہاں نہ تھا
پانی پہ نقشِ پا کا کہیں بھی نشاں نہ تھا

اندر لگی تھی آگ مگر بے خبر تھے لوگ
جلتے ہوئے مکان سے باہر دھواں نہ تھا

غم کا بہت ہجوم تھا آنکھوں کی جھیل میں
کائی جمی تھی یوں کہ وہ آبِ رواں نہ تھا

وہ خوف کے حصار سے باہر نہ آسکا
گو فاصلہ کچھ اُس کے مرے درمیاں نہ تھا

سچ بولنے لگا تو کسی نے سُنا نہیں
اک شخص جس کا جھوٹ کبھی رائیگاں نہ تھا

اس کے لبوں پہ حرفِ شکایت نہ تھا جمیل
وہ شخص بدگماں تھا مگر بدزباں نہ تھا

کیا ستارے روشنی دیتے مہِ کامل کے بعد
ہو گئی بے نور ہر محفل تری محفل کے بعد

اس سے آگے سادہ پیشانی ہیں سارے سنگِ میل
ختم ہے اب یہ سفر اس درد کی منزل کے بعد

بچ نہیں پایا مرا چہرہ کبھی اُس کے وار سے
کون پہچانے گا اب مجھ کو مرے قاتل کے بعد

پاؤں رکھتے ہی زمیں پر راہ روکیں گے غزال
ایک طوفاں اور آئے گا ابھی ساحل کے بعد

میرا دل توڑا تو وہ بھی خون روئے گا ضرور
کون اس کو اس طرح چاہے گا میرے دل کے بعد

نالہ و فریاد کی لے بس وہیں تک ہے جمیل
کوئی ہنگامہ نہیں پھر کوچۂ قاتل کے بعد

گرتی دیواروں کے سائے ہیں کہاں بیٹھے ہو تم
زلزلوں کی زد میں ہے وہ گھر جہاں بیٹھے ہو تم

شام تنہائی ہے اب چھوڑو کبھی یہ جھوٹی آنا
بے سبب کیوں اپنے میرے درمیاں بیٹھے ہو تم

پھینک دو آنسو بنا کر آنکھ کے رستے اُسے
دل پہ رکھے غم کا جو کوہِ گراں بیٹھے ہو تم

جانے والے لوٹ کر آتے نہیں سو جاؤ اب
رات کے پچھلے پہر تک کیوں یہاں بیٹھے ہو تم

بے حسی ہے انتہائے ضبط ہے یا کیا ہے یہ؟
گھر تمھارا جل رہا ہے شادماں بیٹھے ہو تم

جب ملے گا مجھ کو جینے کی دعا دے جائے گا
اس طرح گھٹ گھٹ کے مرنے کی سزا دے جائے گا

رات کے خیمہ پہ تو شب خون مارے گا اگر
صبح روشن تجھ کو وہ دستِ عطا دے جائے گا

وقت کے اس بھاگتے لمحے کی کس کو ہے خبر
کس سے کیا کچھ چھین لے گا کس کو کیا دے جائے گا

جاتے جاتے چھوڑ جائے گا وہ اک جھوٹی قسم
شام مایوسی کو پھر اک آسرا دے جائے گا

رنگ جب باتیں کرے گا پھول سے رخسار پر
شوخ کلیوں کو چٹکنے کی ادا دے جائے گا

زرد سورج ڈال کر خود پر سیاہی کا کفن
سر برہنہ شب کو تاروں کی ردا دے جائے گا

کم نہ تنہائی ہوئی اُس سے ملاقاتوں میں بھی!
تھی جُدا ہونے کی خواہش وصل کی راتوں میں بھی

خشک پستانوں سے چمٹی ہے ابھی تک تشنگی
سر برہنہ ریت کے دریا ہیں برساتوں میں بھی

کچھ تو مَیں خود بے اماں تھا ہو گیا اس کا شکار
تھی یقیناً کچھ کشش اُس کی مداراتوں میں بھی

وقت کا سفّاک لمحہ کچھ نہ دے گا بھیک میں
زخم رکھ جائے گا اِن پھیلے ہوئے ہاتھوں میں بھی

دل میں جو خواہش تھی اُس کی آنکھ سے ظاہر ہوئی
ورنہ وہ بے انتہا محتاط تھا باتوں میں بھی

اشعار

لہو لہان تھا سارا بدن دریدہ تھا
وہ شخص معرکۂ ظلم آفریدہ تھا

وہ کیا صدا تھی جسے سن کے مضطرب تھے لوگ
ہر ایک چہرہ سے رنگِ سکوں پریدہ تھا

نہ غرقِ خوف ہوئی آنکھ کی چمک اس کی
اگرچہ خاک پہ وہ دست و پا بریدہ تھا

○

چڑھی ہوئی تھی ندی بے خرام موجوں کی
عجیب کیفیتِ ہجر اس وصال میں تھی

سپاہ نے تو کفن سر پہ باندھ رکھے تھے
کمی تو خود سپہ سالار کے کمال میں تھی

نظر پڑی تو ہر اک مور رقص بھول گیا
وہ دلبری کی ادا مورنی کی چال میں تھی

زخمِ رسوائی کے بھی تیری جبیں پر آئیں گے
گھر میں تو بیری لگائے گا تو پتھر آئیں گے

منصف کے سامنے بھی زباں کھولتا نہ تھا
کیا جانے کس خیال سے وہ بولتا نہ تھا

وہ سپاہی تھا، مگر میدان سے بھاگا ہوا
خوف تھا چہرے پہ اس کے خون کا غازہ نہ تھا

مکاں سامنے میرا جلتا رہا
مگر میں کھڑا ہاتھ ملتا رہا

پلٹ گیا وہ تو میں نے اپنی کمان رکھ دی
کہ میری فطرت نہیں ہے پیچھے سے وار کرنا

بلا کی کاٹ تھی طاؤس رنگ آنکھوں میں
وہ جس کو دیکھتا اس کو لہو لہو کرتا

نکل گماں سے مری چشمِ اعتبار میں آ
اگر وجود ہے تیرا تو پھر شمار میں آ

صُبحِ نَو

آ رہی ہے صبحِ نَو لے کر مسرت کا پیام

رات بھر جاگے ہوئے اور تھکے ہارے نجوم
ایک اک کر کے ہوئے جاتے ہیں سب مائلِ خواب
قاصدِ شب نے خبر آمدِ خورشید کی دی!
اوڑھ لی چہرۂ ظلمات نے گھبرا کے نقاب

کھیتیاں جاگ اُٹھیں لیتی ہوئی انگڑائی
آئی اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی پھر بادِ نسیم
کیف ہی کیف بہر سمتِ چمن رنگ ہی رنگ
پھوٹ پڑتی ہے قبائے گل و غنچہ سے شمیم

مرمریں جسم ادا کر چکے قیمت اپنی
اہلِ عشرت کے نظر آئیں گے سونے بستر
لُٹنے والا ہے کچھ دیر میں زر کار طلسم
شمع خاموش ہوئی رات گئی آئی سحر

اپنے کاندھوں پہ کدالیں لیے مزدور چلے
چل پڑے گھر سے کسان اپنے سنبھالے ہوئے ہل
سوئی پگڈنڈیاں یکبارگی بیدار ہوئیں
سینۂ دہر پہ قدموں نے مچا دی ہلچل

بزمِ ساقی جو اُٹھی جام و سبو ٹوٹ گئے
ختم سب ہو گئیں سرمستیاں میخانوں کی
مسجدوں سے وہ اذانوں کی صدائیں گونجیں
گھنٹیاں بجنے لگیں لو وہ صنم خانوں کی

انتظار اور ذرا سا مرے ہمدم کہ بس اب
ڈھل چکی رات مٹا جاتا ہے ظلمت کا نشاں
دُور افق پر نظر آنے لگے انوارِ سحر
چند لمحوں میں درخشاں ہوا جاتا ہے جہاں

آ رہی ہے صبحِ نَو لے کر مسرت کا پیام

ڈاکٹر مناّن راہی

کہیں تو ہوگا پریت کا ساگر من میں یہ وشواس لیے
نگری نگری گھوم رہا ہوں جنم جنم کی پیاس لیے

مجھ سے کیا پوچھے ہے اے دل میں کیا جانوں حال اس کا
جانے کتنے یگ بیتے ہیں، مجھ کو تو بن باس لیے

کوئی بلاوا آئے شاید پربت پار کی بستی سے
اس کے بن میں بھٹک رہا ہوں یہ اندھا وشواس لیے

انسانوں کی بھیڑ ہے یوں تو دنیا کے اس میلے میں
کچھ ہی لوگ ملیں گے لیکن انساں کی بو باس لیے

کہتے ہیں شمشان کے ڈھانچے تن پر اپنے ناز نہ کر
ہم بھی کل تک پھول رہے تھے پاؤں سے سر تک ماس لیے

پیڑ گھنا کوئی بھی نہیں ہے جیون کی پگڈنڈی پر
کب تک بھٹکو گے اے راہیؔ ٹھنڈی چھاؤں کی آس لیے

بیٹھے بیٹھے ڈوب گئے کیوں سوچ کی گہری کھائی میں
باہر نکلو! کچھ نہ ملے گا اِس اندھی گہرائی میں

ماضی تو اک سپنا تھا اب مستقبل کی بات کرو
الفت کے کچھ پھول کھلاؤ جیون کی انگنائی میں

گلیوں گلیوں گھورتی آنکھیں رستے رستے طنز کی بولی
تیری خاطر آ پہنچے ہیں، ہم شہرِ رُسوائی میں

دُنیا والے عقل کے اندھے دل کی باتیں کیا سمجھیں
اک دُلہن کی آہیں دیکھو ڈوب گئیں شہنائی میں

نکلے ہیں وہ گھر سے شاید مجھ سے ملنے کی خاطر
جانی پہچانی سی خوشبو پھیل رہی ہے پُروائی میں

کب ذہنِ انساں سے راہی نکلے گا نفرت کا بھوت
بیٹھے بیٹھے یونہی اکثر فکر ہوئی تنہائی میں

جن کی خاطر اے دل ہم نے گیت لکھے اور گائے ہیں
آج وہ یوں ملتے ہیں ہم سے، جیسے کوئی پرائے ہیں

دل میں نشتر، لب پہ فغاں، پلکوں پر اشکوں کے موتی
محفلِ خوباں سے دل والو ہم یہ تحفے لائے ہیں

اُن کے ستم کا شکوہ کیسا اے دل کیا کم ہے یہ کرم
بستی بستی گھومے ہیں اور دیوانے کہلائے ہیں

بھول گئے ہیں آپ جنھیں وہ ذہن میں میرے اب تک ہیں
یاد تو کیجے! آپ نے مجھ سے کچھ وعدے فرمائے ہیں

جانے کتنی آنکھوں کا کاجل پھیلا پلکیں بھیگ گئیں!
محفلِ خوباں سے یارو جب راہی اُٹھ کر آئے ہیں

کون صلیبوں کو اپنائے اپنا خون بہائے کون
شہرِ وفا میں بات چلی ہے سچ کا مول چکائے کون

اُس محفل میں جب بھی دیکھو ہوش و خرد کا ذکر چلے
فرزانوں کی بزم میں جا کر دیوانہ کہلائے کون

سونے چاندی کی دُنیا میں کس کو اتنی فرصت ہے
نفرت کے تاریک نگر میں پیار کے دیپ جلائے کون

پیار سے نفرت کرنا تو اس دُنیا کی عادت ہی رہی
پیار ہے انساں کا سرمایہ لوگوں کو سمجھائے کون

کتنا دل آویز تھا لیکن ماضی لوٹ نہیں سکتا
یادوں کے ویران کھنڈر میں اپنا وقت گنوائے کون

کون سے موڑ پہ کون ملا تھا کس نے کیا احسان کیے
ہمدردوں کو سوچ کے راہی جی کو روگ لگائے کون

وہ جھرنے کے پاس کھڑی تھی میں اُس پتھر پر بیٹھا تھا
یہی جگہ ہے جہاں پہ مَیں نے چاند زمیں پر دیکھا تھا

چھو کر اُس کے رخساروں کو چنچل لہریں جھوم اُٹھی تھیں
بہتے پانی میں جب اُس نے اپنا مکھڑا دیکھا تھا

اُس کو دیکھے برسوں گزرے لیکن اب تک دل کہتا ہے
کتنا اُجلا جسم تھا اس کا کتنا روشن چہرہ تھا

ہم نے اپنا مَن بیچا، تَن بیچا، سب کچھ بیچ دیا !
برسوں پہلے اس نگری میں اک سوداگر آیا تھا

جانے کتنے چہروں نے بسنے کی کوشش کی راہی
دِل کے شیش محل پر لیکن اس کی یاد کا پہرا تھا

اشعار

جب جب اُن کے عارض و لب کی بات چلی ہے شہروں میں
لالہ و گل کی اور بھی اے دل قدر بڑھی ہے شہروں میں

جانے کس کے ارمانوں کا راہِ وفا میں خون ہوا ہے
ہر سو اک پُر ہول اُداسی چھائی ہوئی ہے شہروں میں

کون ہے وہ دیوانہ اے دل تو ہی اس کا نام بتا دے
کس کی خاطر یہ ویرانی آن بسی ہے شہروں میں

اجلے جسم دمکتے چہرے دیکھیے راہی جلوہ فشاں ہیں
کس کی خاطر محفلِ خوباں آج سجی ہے شہروں میں!

وقت منصف ہے فیصلہ دے گا
کون تیرا ہے کون میرا ہے

ہے کس کا کون خریدار یہ سوال نہیں
سوال یہ ہے کہ انسان بک گیا کیسے

اب کسی تخت پہ کوئی بھی جہانگیر نہیں
عدل و انصاف کی زنجیر ہلائیں کیسے

میرا قصور یہ کہ میں سچا ہوں دوستو
الزام اس قدر جو مری ذات پر لگے

حقیر جان کے پیروں سے روندھنے والو!
تم اپنے کاندھوں پہ اک دن چڑھاؤ گے مجھ کو

ہمسفر

مَیں نے بہت روکا مگر
وہ خود بھی ننگا ہوگیا
مجھ کو بھی ننگا کر دیا
مَیں اور کرتا بھی تو کیا
زخموں کی چادر اوڑھ کر
چپ چاپ رخصت ہو لیا
اس بے وفا کے شہر سے
نکلا تو آئی یہ صدا
"ہم بھی تمھارے ساتھ ہیں"
مَیں دم بخود تکتا رہا
مایوسیاں، ناکامیاں
ویرانیاں، تنہائیاں
کہتی تھیں ہوکر ہم زباں

"ہم بھی تمھارے ساتھ ہیں"
"ہم بھی تمھارے ساتھ ہیں"

میکش اجمیری

بہت دنوں سے کسی کے گلو کا پیاسا ہے
بجو کہ خنجرِ قاتل لہو کا پیاسا ہے

شباب اپنا چھپالے تو میرے دامن میں
ہر ایک شخص تری آبرو کا پیاسا ہے

جواں ہوا ہے مری شفقتوں کے سایہ میں
وہ شخص آج جو میرے لہو کا پیاسا ہے

وہ عام چہروں کا مشتاق ہو نہیں سکتا
جو ذوقِ دید کسی خوبرو کا پیاسا ہے

ابھی بھی گونج رہی ہے فضا میں تیری صدا
ابھی بھی ذہن تری گفتگو کا پیاسا ہے

جب کبھی قتلِ آبرو ہوگا
زرد چہرہ لہو لہو ہوگا

چھوڑ بچے کو، قتل سے باز آ
یہ کسی ماں کی آرزو ہوگا

پیٹھ میں جو چبھو گیا خنجر
کوئی کم حوصلہ عدو ہوگا

دل کے زخموں کی کھل رہی ہے زباں
درد موضوعِ گفتگو ہوگا

آنکھیں روشن دکھائی دیتی ہیں
سامنے کوئی ماہ رو ہوگا

اشعار

نیا سویرا لیے آفتاب نکلے گا!
کہ سچ کبھی تو ہمارا یہ خواب نکلے گا
تمام عمر بھٹکتے رہے ہیں جس کے لیے
کسے خبر تھی وہ پیکر سراب نکلے گا

مرے مکان کو نیلام کرنے والے بھی
مری گلی سے کبھی شرمسار نکلیں گے
بنا بنا کے گھروندے بگاڑنے والے
تمام بچے بڑے ہونہار نکلیں گے

بھیگی آنکھوں سے حسینوں نے پڑھا ہے مجھ کو
غم کے صفحات پہ منظوم رہا ہوں برسوں

بتاؤں کیا ہے سبب ملک کی غریبی کا
سمٹ کے رہ گیا سرمایہ چند لوگوں میں

نجومی نے نہیں، دل نے کہا ہے
تمھاری دوستی مہنگی پڑے گی

کانٹے مزاج پوچھ رہے تھے قدم قدم
اس شہرِ گل کا راستہ کتنا عجیب تھا

تلاش میں ہوں اگر مل گیا مقامِ عروج
زمین والو تمھیں آسمان دے دوں گا

ہو رہا ہے دھواں دھواں چہرہ
آرزو دل میں جل رہی ہو گی!

تم کو پہنچے گا نہیں کوئی پیام
صرف مرنے کی خبر دی جائے گی

میری دہلیز پہ کرتے ہیں اجالے سجدے
گھر میں اردو کے رسالے ہیں چراغوں کی طرح!

بھرنے کو تیری فیس مجھے میرے لاڈلے
تیرے کھلونے بیچ کے آنا پڑے گا آج

شکریہ، مجھ پہ نوازش ہے تمہاری، لیکن
ظرف رکھتے ہو تو احسان جتاتے کیوں ہو!

لطف آئے گا ملاقاتوں کا اب مدت کے بعد
اس کا دفتر بھی مرے دفتر کے نیچے آگیا
روشنی کے واسطے سورج کو جب جب دی صدا
دھوپ کا سایہ اندھیرے گھر کے نیچے آگیا

میری صداقتوں کا جسے اعتراف تھا
سب کی طرح وہ شخص بھی میرے خلاف تھا

میرے بزرگ کہتے ہیں / برسوں گزر گئے!
جب کہ ہوئی تھی کھیتوں میں برسات آخری!

احتشام اختر

ورق ورق یہ فسانہ بکھرنے والا تھا
بچا لیا مجھے اس نے میں مرنے والا تھا

شگفتہ پھول پریشاں ہوا تو غم نہ کرو
کہ وہ تو یوں بھی ہوا میں بکھرنے والا تھا

میں اس کو دیکھ کے پھر کچھ نہ دیکھ پاؤں گا
یہ حادثہ بھی مجھی پر گزرنے والا تھا

صدائے سنگ نے مجھ کو بچا لیا ورنہ
میں اس پہاڑ سے ٹکرا کے مرنے والا تھا

میں بے قصور ہوں یہ فیصلہ ہوا ورنہ
میں اپنے جرم کا اقرار کرنے والا تھا

پہاڑ سینہ سپر ہو گیا تھا میرے لیے
وگرنہ مجھ میں سمندر اترنے والا تھا

ٹھہرے پانی میں نہاں ایک حسیں خواب بھی ہے
اس کی جھیل میں عکسِ رخِ مہتاب بھی ہے

وحشتِ تنہائی کے تپتے ہوئے ویرانے میں
تیری یادوں کا ہے اک پیڑ جو شاداب بھی ہے

پار کرنا بڑا مشکل ہے کہ یہ بحرِ ہوس!
کہیں گہرا ہے بہت اور کہیں پایاب بھی ہے

اس کی تصویر میں آنکھوں میں بسا لوں کہ یہ شے
لاکھ ارزاں سہی میرے لیے نایاب بھی ہے

یوں تو لگتا ہے سمندر بڑا خاموش مگر
اس کے سینے میں نہاں کرب کا سیلاب بھی ہے

یہ تمناؤں کی سوکھی ہوئی ندی اختر
اپنی آنکھوں میں سجائے ہوئے اک خواب بھی ہے

ہزاروں سال سے مَیں جس کے انتظار میں تھا
وہ عکسِ خواب تو میرے ہی اختیار میں تھا

وہ میری ذات کے پرتو سے ماہتاب ہوا
وگرنہ کرۂ بےنور کس شمار میں تھا

کوئی لگاؤ نہ تھا اب ہرے شجر سے مجھے!
میں برگِ خشک تھا، اڑتے ہوئے غبار میں تھا

سفر میں یونہی جھلستا رہا خبر نہ ہوئی!
کہ ٹھنڈے پانی کا چشمہ بھی رہ گزار میں تھا

میں بدگماں نہ کبھی اس سے ہو سکا اختر
عجب طرح کا مزہ اس کے جھوٹے پیار میں تھا

اشعار

مَیں نے آکر اس کو ہنسایا
دنیا کتنی اُداس تھی پہلے

اپنے ذہن کی تحریروں کو
دیمک بن کر چاٹ رہا ہوں!
مجھ کو لے کر کیا پاؤ گے
مَیں تو اک کھوٹا سکہ ہوں

اگرچہ سپاہی ہوں ہارا ہُوا
مَیں خوش ہوں کہ مَیں سب سے تنہا لڑا
نئے زخم کی لذتوں کے لیے
کرائے کے گھر مَیں بدلتا رہا

خشک دریا کی طرح ہوں میں بھی
کوئی طوفان اُٹھاؤں کیسے
ہائے اب آنکھ میں آنسو بھی نہیں
آگ دامن کی بجھاؤں کیسے

پھاڑا مجھے تو سلسلہ پھر ٹوٹ جائے گا
مَیں بھی تو اک ورق ہوں تمھاری کتاب کا

چلتے رہو یونہی کہ یہ پتھریلی گزرگاہ
قدموں سے ہمارے کبھی ہموار بھی ہوگی

نام لے کے پکارا کسی نے ہمیں
ہم نے دیکھا جو مُڑ کے تو پتھر ہوئے

میرے خلاف ہی سازش وہ کر رہے تھے مگر
عجیب بات ہے شامل میں ساز باز میں تھا

خود بھی رُسوا ہوا اور مجھ کو بھی بدنام کیا
مَیں ترا راز تھا سینے میں چھپایا ہوتا

تم جلانا مجھے چاہو تو جلا دو لیکن
نخلِ تازہ جو جلے گا تو دھواں بھی دے گا

آپ کی آنکھیں یہ کہتی ہیں
آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے

خواب آنکھوں میں کھٹکتے ہیں بہت
میری شب کو بھی سحر دے کوئی

بھلا چکا ہوں میں سب کچھ دلا نہ یاد مجھے
جو کھو چکا ہوں اب اس کا حساب رہنے دے

اپنی بربادی کا احساس مٹانے دو مجھے
گھر میں جو کچھ بھی بچا ہے وہ جلانے دو مجھے

بہت سے یوں تو مجھے ہم سفر ملے اختر!
مگر کوئی بھی مرے غم کا بوجھ ڈھو نہ سکا

یہ وہ قطرے نہیں جو گوہرِ نایاب بن جائیں
ان اشکوں کی رسائی تو ہماری آستیں تک ہے

تمہارے واسطے یہ نئی چیز ہے ورنہ!
یہاں پہ سانپ تو اکثر نکلتے رہتے ہیں

بس ایک بات تھی کہنے کو اور کچھ بھی نہ تھا
ہم اس کے واسطے طرزِ بیاں بدلتے رہے

شوخ گفتار ہوئے چلبلے مکتوب ہوئے
بے تکلف وہ ہوئے ہم سے تو پھر خوب ہوئے

ہماری زندگی کی داستاں بھی کچھ عجیب ہے
لکھا تھا جس جگہ سفر وہاں قیام لکھ دیا

طوفانی صداؤں سے کمروں کو سجائیں گے
دریا کے کنارے ہم گھر اپنا بنائیں گے

کبھی زمیں پہ کبھی نیلے آسمان میں ہوں
ہوا کی طرح میں ہر پل نئے مکان میں ہوں

اب دل کے بہلنے کی بس ایک ہی صورت ہے
مٹی کے گھروندوں کو توڑیں گے بنائیں گے

لبوں سے اس کے نکل کر ہوا ہوں آوارہ
میں ایک نقطہ ہوں ہر دم نئی اڑان میں ہوں

ہم رنگ کے قیدی ہیں وہ رنگ کے موجد ہیں
جس شکل میں چاہیں گے وہ ہم کو بنائیں گے

مجھے تو گہرے سمندر سے جا کے ملنا ہے
ابھی میں رک نہیں سکتا ابھی ڈھلان میں ہوں

رات سڑکوں پہ گانے لگی ہے
دور کتا کوئی رو رہا ہے

آواز کا زخم

سُورج ابھی جاگا نہ تھا
کھڑکی سے باہر جھانک کر
دیکھا
سڑک پر دُور تک
کوئی نہ تھا
چپکے سے اپنی ڈائری /
مَیں کھول کر پڑھنے لگا
الفاظ کی معصوم سی تصویر
پھر تنہا مجھے پاکر یکایک ہنس پڑی
کمرے کی ہر دیوار سے
آوازیں آنے لگی
"مَیں بھی تمھارے ساتھ ہوں"
مَیں ڈر گیا
کس نے کہا
یہ کون تھا
پھر ایک دم باہر اُجالا ہو گیا
تاریکیاں مجھ سے لپٹ کر
رو پڑیں

شرارت

دل کا بجھا ہوا دیا / مَیں نے پھر جلا دیا / ہوا اُسے پھر
بجھا دے گی / ہوا مجھے ستاتی ہے / مَیں ہوا کو ستاؤں گا /
دِل کا بجھا چراغ / میں بار بار جلاؤں گا

آنکھوں کے ویت نام

جھیل سی / نیلی آنکھوں کے ویت نام / میری رگوں میں مچل رہے ہیں
مَیں امریکا ہے / لڑتے لڑتے مر جاؤں گا

بے نظیر آنکھیں

شہرِ طلسمات میں / اس سے پہلے کہ مری آنکھیں
بے نظیر ہو جائیں / مَیں مرجانا چاہتا ہوں

رام لال ندیم

روز و شب گرم ہواؤں کے ستم سہتا ہے
دل وہ دریا ہے جو مٹی سے بھرا رہتا ہے

اپنی بربادی کا غم اُس کے دُکھوں کی باتیں
اس طرح سنتا ہوں میں جیسے وہ سچ کہتا ہے

بدگماں ہو کے مجھے وقت کی لہروں میں نہ پھینک
تجھ کو معلوم ہے پتھر بھی کہیں بہتا ہے

کانپتی رہتی ہیں پلکوں پہ لہو کی بوندیں!
دامنِ درد ستاروں سے بھرا رہتا ہے

جب بھی شعروں میں کہی درد کی روداد ندیم
خود کو رسوا نہ کرو مجھ سے کوئی کہتا ہے

تاریکیوں کا ساتھ ہے جاؤں کدھر کو میں!
کب سے ترس رہا ہوں طلوعِ سحر کو میں

واماندگی میں بوجھ ہے قدموں کا ہر نشاں
نظروں سے چومتا ہوں تری رہگزر کو میں

سمٹا غبار تو کوئی چہرہ نکل پڑے
گلیوں میں دیکھتا ہوں ہوا کے اثر کو میں

پیروں کے زخم ریت کی گرمی سے جل گئے
کھوتا رہا سفر میں متاعِ سفر کو میں

مجھ کو ہوس نہیں ہے بہاروں کی اے ندیم
ویرانیوں کے ڈر سے سجاتا ہوں گھر کو میں

کھلا جو ابر تو کیسا سماں دکھائی دیا
ہر اک مکان سے اٹھتا دھواں دکھائی دیا

نظر کی آخری حد پر عجیب منظر تھا
زمیں پہ دور جھکا آسماں دکھائی دیا

تمام عمر تعاقب میں روشنی کے رہے
وہ جگمگاتا بدن پھر کہاں دکھائی دیا

سوادِ شوق میں خود کو سمیٹنا کیسا
بکھر گیا ہوں وہ منظر جہاں دکھائی دیا

کسی بھی سر پہ نہ تھا دھوپ میں کوئی سایہ
ہر ایک شخص یہاں بے اماں دکھائی دیا

شفق پہ پھیلتا جاتا ہے کچھ دھواں ایسا
اداس شام ہے اور دل بھی خونچکاں ایسا

تھکے بدن پہ لگے وقت کے کئی پتھر
نکلتا بچ کے کہاں وقت تھا گراں ایسا

بلندیوں سے پلٹ کر زمیں پہ کیا آتا
کہ دل میں عزمِ سفر تھا مرے نہاں ایسا

بس ایک بار چھوا تھا خیال میں اس کو
لچک لچک گیا وہ جسم تھا کماں ایسا

مرے قریب سے گزرا تو تھا ندیم مگر
نظر جھکائے رہا وہ تھا بدگماں ایسا

سورج کی سختیوں سے بچا لے گئی مجھے
سائے میں اپنے شام چھپا لے گئی مجھے

کھڑکی سے دیکھتا رہا پھیلا ہوا غبار
کمرے سے میں جو نکلا ہوا لے گئی مجھے

سہما پڑا ہوا تھا میں ساحل کی ریت پر
دریا چڑھا تو موج بہا لے گئی مجھے

جلتا رہا تھا درد کے صحرا میں ہر طرف
آئی گھٹا جو غم کی اُٹھا لے گئی مجھے

میں بستیوں میں چین سے رہ نہ سکا ندیم!
سنسان جنگلوں میں ہوا لے گئی مجھے

نکھرا ہے آج حسنِ سحر مدتوں کے بعد
چمکے ہیں چشمِ نم میں گہر مدتوں کے بعد

شاید کسی خیال نے آواز دی ہمیں!
لو دے اُٹھے ہیں زخمِ جگر مدتوں کے بعد

کتنی ہی آرزوؤں کے مدفن چمک اُٹھے
اترا ہے شہرِ دل میں قمر مدتوں کے بعد

اب منزلِ نجوم و قمر گردِ راہ ہے
جاگا ہے اپنا عزمِ سفر مدتوں کے بعد

مہکیں گے دل کے داغ کھلیں گے غموں کے پھول
پائی ہے موجِ گل کی خبر مدتوں کے بعد

کتنے بتوں کو توڑ دیا اس نے اے ندیم
کام آئی آج اپنی نظر مدتوں کے بعد

ممتاز راشد

کھو نہ جائے کہیں ہر خواب صداؤں کی طرح
زندگی محوِ تجسس ہے ہواؤں کی طرح

ہم سے بھی پوچھو سلگتے ہوئے موسم کی کسک
ہم بھی ہر دشت پہ برسے ہیں گھٹاؤں کی طرح

ٹوٹ جائے نہ کہیں شیشۂ پیمانِ وفا
وقت بے مہر ہے، پتھر کے خداؤں کی طرح

کبھی مائل بہ رفاقت، کبھی مائل بہ گریز
زندگی ہم سے ملی تیری اداؤں کی طرح

بارہا یہ ہُوا، جا کر ترے دروازے تک
ہم پلٹ آئے ہیں ناکام دُعاؤں کی طرح

لَو بڑھا دو کسی ناہید کے غم کی راشد
ذہن بے نور ہے تاریک خلاؤں کی طرح

جاگ اٹھے سائے بجھا شمع اندھیرا کر لے
رنگِ تنہائی کو کچھ اور بھی گہرا کر لے

آئینہ کوئی بھی ہو تجھ کو نظر آؤں گا
میں ترا رُوپ ہوں تو مجھ پہ بھروسا کر لے

اِس سے پہلے کہ ڈھلے تیری صدا کا سورج
آ بھی جا اور مرے گیتوں میں بسیرا کر لے

تو وہ سایہ ہے جو ہر دھوپ سے جل اُٹھتا ہے
تجھ کو پانا ہو جسے سب سے کنارا کر لے

خواب کس طرح بکھرتے ہیں سمجھنا ہے اگر
اپنے سر پر کسی دیوار کا سایہ کر لے

ہر نفس زہر بھرا جام ہے لیکن راشد
اور کچھ دن یونہی جینے کا تماشا کر لے

آنکھوں میں عکس، سانس میں زلفوں کی باس ہے
وہ دُور جا چکا ہے مگر میرے پاس ہے

بجھتی نہیں ہے دل کے در و بام کی چمک
پوشیدہ اس کھنڈر میں ابھی کوئی آس ہے

چھینٹے پڑیں تو اور بھڑکتی ہے تشنگی!
میرے وجود میں کسی صحرا کی پیاس ہے

کیسے جمے گی شاخِ تمنا پہ غم کی دھول!
اس کے بدن پہ میری وفا کا لباس ہے

راشد بتا رہا ہے حسیں شام کا سکوت!
مجھ سے بچھڑ کے اُس کی صدا بھی اداس ہے

ہوئی نہ عکسِ رُخِ دار درد سے نجات مری
بدل چکی ہے کئی آئینے حیات مری

کھُلے تھے ہونٹ کہ وہ پاس سے گزر بھی گیا
بکھر کے رہ گئی موجِ ہوا میں بات مری

کبھی سکوت، کبھی قہقہے، کبھی آنسو
بدلتی رہتی ہے ہر لمحہ کائنات مری

چلو غموں کی کتابیں سپردِ آب کریں
وہ کہہ رہا ہے کہانی ہے بے ثبات مری

سُلگ رہی ہے ترے جسم کی مہک ہر سُو
بدل گئی ہے ترے پیرہن سے رات مری

لرز رہا تھا تلاطم میں زرد سا پتہ
لکھی ہوئی تھی سمندر پہ واردات مری

نہ دب سکی کہیں راشد مرے لہُو کی صدا
ہر اک ہجوم میں تنہا رہی ہے ذات مری

ہر چہرے پر خوف کی چادر شعلوں کی بارش گھر گھر
سونی آنکھیں دیکھ رہی ہیں جلتے شہر کا یہ منظر

پتّا بھی کھڑکے تو دل سینوں میں خوف سے پھٹ جائیں
کتنی چیخوں کا مدفن ہے ، سہما ہُوا خاموش نگر

چہرے کی تحریر کے پیچھے کیا دُکھ ہے یہ بھی سمجھو
میں کوئی اخبار نہیں ہوں تم رکھ دو جس کو پڑھ کر

ہم ہی کچھ نادان تھے جانے کتنے خواب سجا بیٹھے
اس نے یونہی دیکھ لیا تھا چلتے چلتے ایک نظر

جب بھی گزرتا ہے کوئی آوارہ ہواؤں کا جھونکا
تپتی ٹین کی اونچی چھت پر بجنے لگتے ہیں کنکر

پیچھے رہ جانے والوں پر کس منہ سے الزام دھریں!
ہم جس کی اگلی صف میں تھے ہار گیا ہے وہ لشکر

کوئی پتھر پھینک کے اِس میں اپنا عکس مٹا ڈالیں
جلتی ریت میں کھو جائے گی یہ ندی آگے چل کر

راشدؔ کس اُمید پہ دل کا آئینہ چمکاتے ہو!
جانے کیا تصویر دِکھائے دُھند دُھندلا سن ستر

ڈھونڈتے پھرتے ہو راشد جسے بازاروں میں
وہ صدا قید ہے جلتی ہوئی دیواروں میں

پڑ گیا تھا کسی بادل کا دہکتا سایہ!
دیر تک آگ بھڑکتی رہی کہساروں میں

تری آنکھوں سے غمِ دل کی وہ قیمت پائی
ہم بھی شامل ہوئے خود اپنے خریداروں میں

لوگ نکلے ہیں جسے ڈھونڈنے پتھر لے کر
چھپ گیا ہے وہ مرے جسم کی دیواروں میں

ترے پیکر میں سجے ہیں مری تخئیل کے رنگ
لوگ گنتے ہیں تجھے بھی مرے شہکاروں میں

کوئی اُس شخص سے واقف ہی نہیں میرے سوا
تذکرے جس کے ہوا کرتے ہیں اخباروں میں

تشنگی نے مری یہ سحر کیا ہے راشد
پھول دہکے ہیں سلگتے ہوئے رخساروں میں

محرومیوں کی دھول سے ہر نقش ہے دھندلا ترا
میں نے کبھی اے زندگی دیکھا نہیں چہرہ ترا

میرے پلٹ جانے میں ہے تیری خموشی کا بھرم
واقف ہوں میں اس موڑ پر کیا فیصلہ ہوگا ترا

تیرے لیے آساں سہی صورت بدلنے کا ہنر
لیکن وہ پتھر بن گیا جو کل تھا آئینہ ترا

شاید نہ پورا کر سکیں گم گشتہ لمحوں کا حساب
جو اشک ہیں دولت مری جو دکھ ہیں سرمایہ ترا

تیری طلب کی راہ میں دیکھے ہیں دنیا کے وہ رنگ
دھوکہ نہ دے پائے گا اب یہ پیکرِ سادہ ترا

تو بھی کبھی محسوس کر کیا ہے بکھرنے کی کسک
اک روز یوں بازی سجے پتھر مرے شیشہ ترا

دل کو صحرا آنکھ کو پتھر بنا کر آئے ہیں[1]
یوں لگا جب تجھ کو مٹی میں چھپا کر آئے ہیں

فاصلے تھے درمیاں پھر بھی یہ کیسا ربط تھا
اُس کے آنسو میری پلکوں تک برابر آئے ہیں

جس کی چاہت نے بھلا رکھے تھے غم حالات کے
ہم دیارِ غیر میں وہ شے گنوا کر آئے ہیں

ہر اندھیرے میں اُسی نے دی ستاروں کی نوید
وہ مہدا ہم خاک میں جس کو دبا کر آئے ہیں

کر نہ پائے ہم کبھی اس کی دعاؤں کا شمار
چار شمعیں جس کے مدفن پر جلا کر آئے ہیں

اپنی اک اک سانس پر ہے اس کے احسانوں کا بوجھ
آج جس کی خاک پر ہم سر جھکا کر آئے ہیں

---

[1] نانی کے انتقال پر

جھیل میں چاند نظر آئے، تھی حسرت اُس کی
کب سے آنکھوں میں لیے بیٹھا ہوں صورت اُس کی

ایک دن میرے کناروں میں سمٹ جائے گی
ٹھہرے پانی سی یہ خاموش محبت اُس کی

بند مٹھی کی طرح وہ کبھی کھلتا ہی نہیں
فاصلے اور بڑھا دیتی ہے قربت اُس کی

کس نے جانا ہے بدلتے ہوئے موسم کا مزاج
اس کو چاہو تو سمجھ پاؤ گے فطرت اس کی

بے خبر ہے جو مرے حال سے کیا اس کو پتہ
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں ہے قسمت اس کی

ڈر یہ ہے روک نہ لے سود و زیاں کا احساس
کہیں دیوار نہ بن جائے ذہانت اُس کی

اشعار

وقتِ مایوسی ہے کوئی آسرا باقی رہے
یہ دعا ہے آسمانوں پر خدا باقی رہے

کچھ تو ہو بنجر زمینوں کے سلگنے کا صلہ
دشت کے سر پر کوئی کالی گھٹا باقی رہے

کچھ تو ہو لوگوں کے پتھریلے سوالوں کا جواب
اس کے ہونٹوں پر مری طرزِ نوا باقی رہے

جانے والوں کے لیے کس نے لگائی یہ صدا
راستے کھو جائیں لیکن حوصلہ باقی رہے

آندھیوں کے سامنے رکھ دے جو اپنے سب چراغ
میں نہیں تو کوئی مجھ سا دوسرا باقی رہے

کتنی تحریریں سجی ہیں وقت کی دیوار پر
کون کہہ سکتا ہے کیا مٹ جائے کیا باقی رہے

شعر لکھواتی رہے راشدؔ یہ میٹھی سی خلش
اس کے میرے درمیاں اک فاصلہ باقی رہے

گھر چھوڑ کے بھی زندگی حیرانیوں میں ہے
شہروں کا شور دشت کی ویرانیوں میں ہے
ڈر ہے کہ یہ بھی وقت کے ہاتھوں سے مٹ نہ جائے
ہلکی سی جو چمک ابھی پیشانیوں میں ہے
کتنا کہا تھا اس سے کہ دامن سمیٹ لے
اب وہ بھی میرے ساتھ پریشانیوں میں ہے

ہیں دھوپ چھاؤں کی مانند چاہتیں اس کی
رقم کروں میں کہاں تک حکایتیں اس کی
اسے قریب سے دیکھا تو ہم نے یہ جانا
کہ مختلف تھیں بہت اس سے شہرتیں اس کی
وہ ایک شخص کہ جو مثلِ زندگی ٹھہرا
سمجھ میں آئیں ابھی تک نہ عادتیں اس کی

پتھر سلگ رہے تھے کوئی نقشِ پا نہ تھا
ہم جس طرف چلے تھے ادھر راستہ نہ تھا
پتوں کے ٹوٹنے کی صدا گھٹ کے رہ گئی
جنگل میں دور دور ہوا کا پتہ نہ تھا

عبور کر لوں ابھی زندگی کا ویرانہ
کھڑا ہوا ہے مگر راستے میں ڈر میرا
ملا جو قرب تو روشن ہوئے سبھی خاکے
ترس رہا تھا اسی آگ کو ہنر میرا

پھر اُس گلی میں چل کے جلائیں کوئی چراغ
پرچھائیوں کے ساتھ جہاں عمر کٹ گئی

آنکھوں میں میری کتنے زمانوں کا عکس ہے
صدیاں ہیں میرے سامنے لمحات کی طرح!

سادہ دلی کے ساتھ بسر ہوگی کس طرح
اس شہر میں کچھ اور ہی جینے کا ڈھنگ ہے

پوچھتا پھرتا تھا لوگوں سے وفا کی قیمت
آج اس شخص کو احساسِ زیاں تھا کتنا

اب ہوا آئی تو یہ راکھ بھی لے جائے گی
آتشِ سرد ہوں مٹی میں دبا دے کوئی

یہ زندگی ہے کہ زخموں کا سلسلہ راشد
مجھے یہ لگتا ہے میدانِ کارزار میں ہوں

پہلی نظر میں کر نہ کسی نقش پر یقیں
لوگوں کو اپنی شکل بدلتے ہوئے بھی دیکھ

وہی نظروں کا بھٹکنا وہی آوارہ شبی
میں یہ سمجھا تھا تجھے پا کے سنبھل جاؤں گا

ترے وجود سے باہر بھی ایک دُنیا ہے
یوں اپنے آپ کو تنہائی کا عذاب نہ دے

سب کو پلٹتے دیکھ کے میں بھی ٹھہر گیا
شامل تھا سب کا خوف بھی میرے ہراس میں

محفل کا رُخ بدل گئے لفظوں کے آئینے
چہروں کا رنگ اُڑ گیا میرے بیان سے

کبھی جو ڈوبتے سورج نے مجھ کو سونپی تھی
میں بجھ رہا ہوں وہی روشنی سنبھالے ہوئے

جو دُکھ ملے ہیں اُن کی جزا مانگتے رہو
بچھڑے نہ کوئی شخص دعا مانگتے رہو

دیکھ کر اس گھر کی ویرانی بکھر جائے گی شام
دل کے آنگن میں اگر اتری تو مر جائے گی شام

کون یہ میرے تعاقب میں چلا آتا ہے
کس کے قدموں کی صدا سُن کے پلٹ جاتا ہوں

میں کوئی گوہرِ نایاب نہیں ہوں راشد
کیا سمجھ کے کوئی بازار میں لایا ہے مجھے

کبھی خود کو مری نظروں سے بھی دیکھ
تو نہیں جانتا کیا ہے تجھ میں!

نہ پاس آتا ہے وہ اور نہ دور جاتا ہے
عجب طرح سے مری تشنگی بڑھاتا ہے

جو کچھ بھی تھا دل میں کہہ دیا ہے
دُنیا کی نظر میں یوں بڑا ہوں

تمہاری راہ کا پتھر ہوں یہ بھلا دینا
جہاں سے لَوٹنا چاہو مجھے صدا دینا
تمہارا نام جو آیا ورق پلٹ دوں گا
مجھے بھی آتا ہے احساس کو سزا دینا

حسرتِ دل ہے کہ ہر شب یہی منظر دیکھوں
اپنی باہوں میں ترا پھول سا پیکر دیکھوں
میں تری روح کے قابل ترے اپنے سائے
میرے پاس آ کہ تجھے شمع جلا کر دیکھوں!

آئینہ مجھ کو دکھانے والے
تیرا پیکر بھی چھپا ہے مجھ میں
وقت کے ساتھ بدل جاتا ہوں
زندگی تیری ادا ہے مجھ میں

کاغذ کی ناؤ ہوں مری رفتار و سمت کیا
پانی کا رُخ جدھر ہو بہا دیجیے مجھے
مشکل ہے ایسی بھیڑ میں آواز کی شناخت
سیلِ رواں سے ہٹ کے صدا دیجیے مجھے

سپردگی کچھ ایسی کہ پیاس بجھ نہ سکے
گریز ایسا کہ جو حوصلے بڑھاتا تھا
صدائیں دیتا ہے خالی مکاں کا ہر گوشہ
یہیں کہیں پہ ترا عکس جگمگاتا تھا

تنہائی کی سرد انگلیوں میں
سگرٹ کی طرح سُلگ رہا ہوں

جو کھِلکھلاتا تھا کبھی دھوپ کے صحراؤں میں
اب وہ سایہ مری چوکھٹ سے نکلتا ہی نہیں
کوئی تحریر مٹائیں تو دھواں اُٹھتا ہے
دل وہ بھیگا ہوا کاغذ ہے کہ جلتا ہی نہیں

کیا مٹ سکیں گے گردشِ حالاتِ دہر سے
ہم دستِ کائنات میں غم کی لکیر ہیں

دو گھڑی ٹھہرو کہ پڑھ لوں میں وفا کی تحریر
شبنمی آنکھوں میں کاجل تو بکھر جانے دو

جب بھی بچھڑا ہے کوئی شخص ترا دھیان آیا
ہر نئے غم سے تری یاد کے پہلو نکلے

میں وہ مٹی ہوں جو ہے چاک کی گردش میں اسیر
تو اگر ہاتھ لگا دے تو سنور جاؤں گا!

بدگماں ہو کے مجھے وقت کے صحرا میں نہ چھوڑ
اپنے سائے سے بھی کرتا ہے کنارا کوئی

اتنے رفیق کھوئے ہیں لمحوں کے سیل میں
ہم بن گئے ہیں گزرے ہوئے وقت کی مثال

احمد رئیس

خواب دیکھے ہے بہت خواب سے ڈرنے والا
زندہ رہنے کی تگ و دو میں ہے مرنے والا

خاک کے ڈھیر پہ بیٹھا ہے مجاور بن کر
آسمانوں سے شفق بن کے اترنے والا

کیا قیامت کی خبر دے کے گیا ہے لوگو
میرے آنگن سے دبے پاؤں گزرنے والا

کون آیا تھا مجھے دُور سے رخصت کرنے
پیار آنکھوں میں لیے قرب سے ڈرنے والا

یہی دھرتی تو مری فکر کا محور ہے رئیس
اس کا ہر روپ ہے نغموں میں سنورنے والا

دلِ ویراں میں بھی اک پھول مہکتا ہوگا
کون ایسا ہے جو محرومِ تمنا ہوگا

میں تو تنہا ہوں مگر تو بھی اکیلا ہوگا
کیا خبر تھی کہ ترے شہر میں ایسا ہوگا

اسی آنگن میں جہاں دھوپ کھڑی ہے یارو
دیکھنا رات گئے چاند بھی اُترا ہوگا

دل کی ہر ایک گلی آج ہے سونی سونی
قافلہ درد کا شاید کوئی گزرا ہوگا

وہ کوئی خواب نہیں ہے کہ اسے پا نہ سکوں
زندگی ہے تو بہر حال وہ میرا ہوگا

دیکھتے ہی دیکھتے اک خوابِ فردا سو گئے
اپنی آنکھوں میں لیے شہرِ تمنا سو گئے

کس کو فرصت تھی جو کرتا دل کے زخموں کا شمار
اپنے سینے میں چھپائے غم کا صحرا سو گئے

کون تھا کس کو صدا دیتے ہجومِ شہر میں!
اپنی ہی تنہائیوں کے سایہ سایہ سو گئے

سونا سونا سا نظر آتا ہے دل کا گلستاں
پھول بھی شاید سرِ شاخِ تمنا سو گئے

ساتھ تھی شاید کسی لمبے گھنے دن کی تھکن
شام ڈھلتے ہی جو اے قلبِ افسردہ سو گئے

ہم ہی اک آوارۂ شب تھے بھٹکتے ہی رہے
ورنہ کب کے لوگ سب کوچہ بہ کوچہ سو گئے

کاسۂ چشمِ تمنا کیوں ہے ویراں اے رئیس
کیا ہوا کیا سب نگارانِ دل آرا سو گئے

جانِ جاں جانا جسے جانِ تمنا سمجھا
ہائے کیا کہیے کہ اس نے ہمیں کیا کیا سمجھا

کیا کہیں کس سے اب امیدِ وفا باندھی ہے
کس ستم گر کو ہے اس دل نے مسیحا سمجھا

میں سجاتا رہا خوابوں کے حسیں تاج محل
اور تم نے مجھے مٹی کا کھلونا سمجھا

میں تو آنکھوں میں کئی خواب لیے پھرتا تھا
تم ہی ناداں تھے کہ تم نے مجھے تنہا سمجھا

پھول کی طرح سبک سر ہی نہیں ہیں ہم لوگ
گردشِ وقت نے آخر ہے ہمیں کیا سمجھا

تیرے اس طرزِ تساہل کو بھلا کیا کہیے
میری رودادِ الم کو بھی فسانا سمجھا

میں بھی تم جیسا اک انساں ہوں پہ تم نے مجھ کو
کبھی مٹی کا کھلونا، کبھی سایا سمجھا

خاک کو یوں نہ اچھالو لوگو
اپنے چہرے تو بچا لو لوگو

دو گھڑی پاس ہمارے بیٹھو
ہم فقیروں کی دعا لو لوگو

شہر کا شہر ہوا ہے دشمن
سب کی پگڑی نہ اچھالو لوگو

دل کے شیشے میں کسی صورت سے
کوئی تصویر سجا لو لوگو

بے زمینی کا تو الزام نہ دو
چھاؤں میں اپنی بٹھا لو لوگو

اپنی یادوں میں جگہ دو ہم کو
اپنے خوابوں میں بسا لو لوگو

ہم مسافر ہیں مگر رات کی رات
شہر سے یوں نہ نکالو لوگو

دوست کبھی جی کو جلانے آئے
نت نئے زخم لگانے آئے

بات جب تھی کہ مداوا کرتے
بات کیوں اور بڑھانے آئے

آپ سے ایسی توقع تو نہ تھی
آپ بھی دل کو دکھانے آئے

نام لکھ لکھ کے مٹا دیتا ہوں
یاد کچھ زخم پرانے آئے

آپ بیتی بھی ہے جگ بیتی سہی
کس کے ہونٹوں پہ فسانے آئے

ہم ہی دیوانے تھے اب کیا کہیے
دشت میں پھول کھلانے آئے

میرے خوابوں کے حسیں تاج محل
کس کو فرصت کہ سجانے آئے

خود جو آوارۂ منزل ٹھہرے
وہ ہمیں راہ دکھانے آئے

وہ چہرہ پھول کی مانند جو شگفتہ تھا
غموں کی دھوپ سے جھلسا ہوا سا لگتا ہے

یہ دُعا مانگو کہ یہ رونق سدا قائم رہے
ورنہ اپنا گھر ہی کیا سارا جہاں شیشے کا ہے

شجر خوابوں کے گرتے جا رہے ہیں
نئے منظر مگر ساتھ آ رہے ہیں

سب کے چہرے خاک برابر خاک لگیں
اپنا پیکر پیکر لکھنا لکھتے رہنا

اِس زمانے کا حال مت پوچھو!
اگلے وقتوں کے لوگ اچھے تھے

چھٹک رہی ہے یہ دھوپ جس کی
اُسی کو اک آفتاب لکھو!

جلتے صحراؤں میں رہ کر سوچتا ہوں، ایک دن
میرا پیکر خوبصورت سا شجر ہو جائے گا
ڈھونڈتی آئے گی تازہ رُت کسی دن پھر، مجھے
اڑتے بادل کا کبھی تو رُخ اِدھر ہو جائے گا
ذرّے ذرّے کو میں دوں گا خود اُجالے کی نوید
میرا سایہ روشنی کی رہگزر ہو جائے گا

اک ذرا تیری توجّہ کے سبب
ہم ہوئے موردِ الزام بہت
اس خرابے میں جہاں کوئی نہیں
وجہِ آرام ہے اک نام بہت
گھر سے باہر کبھی نکلو، دیکھو!
جگمگاتے ہیں در و بام بہت

کوئی منظر، کوئی ایسا خواب دے
جو اِن آنکھوں کو نمود و آب دے
اے خدا! میری دعائیں کر قبول
زندہ رہنے کے حسیں اسباب دے
دے نہ ساحل کی مجھے خاموشیاں
ہر گھڑی طوفان دے، گرداب دے

کتنے شاداب ہیں اور کیسے دمکتے چہرے
خواب میں بھی نظر آتے نہیں ایسے چہرے
جن کے دیکھے سے تھا حاصل کبھی اک لطفِ نشاط
ہائے آنکھوں سے ہیں اوجھل وہی پیارے چہرے
جانے کس حال میں ہوں میرے نگارانِ وطن
یاد آتے ہیں کئی پھول سے کھلتے چہرے

چاند

کسی نے کہا
چاند اک پھول ہے
جو کھلتا ہے شب کی سیہ شاخ پر
کسی نے کہا
چاند اک دیپ ہے
جو جلتا ہے آکاش کے بام پر
کسی نے کہا
چاند اک داغ ہے
فضا کے لچکتے سبک جسم پر
کسی نے کہا
چاند اک زخم ہے
چاندنی پیپ ہے، زہر ہے
کسی نے کہا
چاند تو شہد کی جھیل ہے
دودھ کی نہر ہے
کسی نے کہا
چاند تو ایک ناکام عاشق کی تصویر ہے
کسی نے کہا
چاند تو میرے دلدار کا نقش ہے
میرے یار کا عکس ہے

اور جب مجھ سے پوچھا تو مَیں نے کہا
مَیں بھکاری ہوں، مَیں کیا کہوں
چاند! میرے لیے
ایک روٹی ہے اور کچھ نہیں!!

ماں

ماں! تری سمت دیکھ کر مجھ کو
اس بھکاری کی یاد آتی ہے

جو تہی دست ہو تہی داماں
جو مجسّم الم کی ہو تصویر
جو سراپا سوال ہو لیکن
اپنے منہ سے وہ کچھ نہیں کہتا

ماں! تری سمت دیکھ کر مجھ کو
اس مسافر کی یاد آتی ہے!

جو ہو رستے میں اور اُمنڈ آئیں
گہرے بادل، مہیب اندھیارے
تیز آندھی، بپھرتا اک طوفاں
پھر بھی وہ حوصلہ نہیں کھوتا!

ماں! تری سمت دیکھ کر مجھ کو
اس سپاہی کی یاد آتی ہے

جس کا چہرہ ہو خاک و خوں آلود
جس کا سینہ تمام گھائل ہو
جس کے پاؤں تھکن سے ہوں بوجھل
پھر بھی دم لینے وہ نہیں رکتا

ماں! ترے عزم و حوصلے کے نثار
تجھ سے درسِ حیات پایا ہے
تو نے جینا ہمیں سکھایا ہے

دیارِ اجمیر...

دیارِ اجمیر! ـــــ تیری گلیاں
چمکتے موتی، مہکتی کلیاں
مرے خیالوں میں جاگتی ہیں
مرے تصور میں ناچتی ہیں
وہ میرے خوابوں کی اپسرائیں
مجھے پکاریں، مجھے بلائیں
مجھے سنائیں
وہ جاوداں، پُربہار لمحوں کی داستانیں
مجھے دکھائیں
وہ شوخ جلوے حسیں نظارے
مجھے ملائیں
وہ اُن شفیق و عظیم لوگوں سے، جن کے چہرے
مثالِ مہتاب
میری تیری اداس راہوں میں
آج بھی جگمگا رہے ہیں
نشانِ منزل دکھا رہے ہیں
دیارِ اجمیر!
تیری گلیوں سے یہ مجھ کو بانکپن ملا ہے
یہ زندگی کا چمن ملا ہے
یہ شعر گوئی کا فن ملا ہے
مَیں تیرا شاعر، ترا ـــ
مَیں تیری گلیوں کو پوجتا ہوں
مَیں تیری گلیوں کو ڈھونڈھتا ہوں!

غالبؔ

اُردو کو تونے ایک نیا رُخ عطا کیا
دشتِ سخن کو تونے گلستاں بنا دیا
تیرے خیال و فکر کی خوشبو سے آج بھی
مہکا ہوا ہے سارا دبستانِ شاعری!
شہرِ غزل میں تیری بڑی دھوم دھام ہے
تو اہلِ دل کا، اہلِ نظر کا امام ہے
تو مہر زرنگار ہے اے جانِ انجمن
کرتے ہیں تجھ سے کسبِ ضیا صاحبانِ فن
پایا ہے تجھ سے شاہدِ ہستی نے رنگ و نور
بخشا ہے تونے ایک جہاں کو نیا شعور
تیری نوا میں سوزشِ قلبِ عوام ہے
تیرا پیام آدمِ نو کا پیام ہے
غالبؔ تو ارتقا کا نیا ایک باب ہے
غالبؔ تو ایک عہد کی زرّیں کتاب ہے

عہد نامہ

مبارک کہ تم بھی
صفِ دشمناں کے مقابل کھڑے ہو
مبارک کہ تم بھی
خود اپنے لہو سے
نئی ایک تاریخِ محنت کشاں لکھ رہے ہو
جنوں کی
نئی داستاں لکھ رہے ہو
—— تمھاری ہی آوازِ حق پر
ہمارا یہ دل بھی دھڑکنے لگا ہے
تمھارا ہی پیکر
ہماری نگاہوں کی منزل بنا ہے
ذرا مڑ کے دیکھو
نظر تو اٹھاؤ
کئی آفتاب آج جلوہ نما ہیں
جہاں بھی کسی کا لہو اب گرے گا
وہیں پر ہمارا یہ سر بھی کٹے گا

آدمی

میں اک کتاب نہیں ہوں
کہ شیلف میں رکھیے
نہیں میں کوئی کھلونا
نہ کوئی مورت ہوں
کہ اپنے گھر کے کسی زرنگار کمرے میں
کسی حسین سے "شوکیس" میں سجاؤ مجھے
میں کوئی نقش بہ دیوار بھی نہیں، مجھ کو
خدا کے واسطے دیکھو نہ ایسی نظروں سے
کہ اپنے آپ سے مجھ کو شدید نفرت ہو
میں آدمی ہوں
مرا کچھ تو احترام کرو

سوال

اتفاقاً! اگر مل بھی جائے کہیں
پیار کی اک حسیں / ساعت دل نشیں
تو کہو! زندگی عمر بھر کے لیے
مطمئن اور آسودہ ہو جائے گی؟

حافظ قمر

یقین ہو گیا اب تو کہ وقت کا آسیب
جو سچ کہے گا اسی کا گلا دبا دے گا

دوستوں سے قریب تر رہ کر!
فاصلے درمیان مت رکھیے

چاند تھا اور نہ سورج ایک انساں تھا مگر
ذرّے ذرّے کو ستارے کا مقدر دے گیا

محصور ہو گیا وہ اَنا کے حصار میں
آئینہ خود نمائی کے جس کو دکھا دیا!

کر دیا دھوپ نے اس شہر کا دریا خالی
پیاسے کھیتوں کو کہاں سے کوئی پانی دے گا

صادق راز

تیرے ماحول پہ چھا جاؤں گا خوشبو بن کر
شاخِ صندل ہوں میں نادان جلانے والے

لیتے پناہ وقت کے سورج کی دھوپ سے
سائے سمٹ رہے ہیں درختوں کے پاس ہیں!

سوچا تھا تجھ سے دُور بہت دُور جائیں گے
یادوں کے بوجھ نے ہمیں لیکن تھکا دیا

کس کو چھوڑے کسے اپنائے یہ معلوم نہیں
ایک دیوانے کی دیوانی طبیعت ٹھہری

اپنے شیشے کے مکانوں سے نہ ہنس کر دیکھنا
پھینک بیٹھے دل جلا کوئی نہ پتھر دیکھنا

سیّد غیاث الدین غیاثؔ

برسا رہا ہے خونِ جگر چشمِ تر سے کون
دامن بچا رہا ہے یہ لعل و گہر سے کون

ہیں میکدے میں شیشہ و پیمانہ دم بخود!
مے پی رہا ہے آج یہ کس کی نظر سے کون

تو ایک بار آنکھ اُٹھا کر تو دیکھ لے
مایوس جا رہا ہے تری رہ گزر سے کون

ہیں بے پناہ چشمِ تصوّر کی وسعتیں
پوشیدہ رہ سکے گا ہماری نظر سے کون

روشن قدم قدم پہ جبیں کے نشان ہیں
گزرا ہے آج تیری حسیں رہ گزر سے کون

اے رحمتِ تمام! ذرا دیکھ تو سہی
محروم رہ گیا ہے دعا کے اثر سے کون

ایک ایک گام پر ہیں ستارے بچھے ہوئے
گزرا ہے اے غیاثؔ نہ جانے ادھر سے کون

سید ناظم الدین ناظم

میں اپنی پیاس لیے دُور تک چلا آیا!
سُنا ہے اب مجھے دریا تلاش کرتا ہے

کیا جانے کیا کشش ہے ان بند کھڑکیوں میں
کیوں دل کو لگ گیا ہے چسکا اسی گلی کا

اس کی تقدیر بھی اشکوں سے لکھی ہے شاید
ہائے وہ شخص سمندر سے جو پیاسا گزرا

کوشش کے باوجود لرز جائیں گے یہ ہاتھ
میرے خطوں کو تم سے جلایا نہ جائے گا

سید احمد حسین احمد

لے کر جہاں گیا مرا ذوقِ سفر مجھے
اپنے ہی نقشِ پا وہاں آئے نظر مجھے

حسرت سے دیکھتے ہیں تیر و کمان والے
باہر ہیں دسترس سے اونچی اڑان والے

بدلی ہوئی ہوائے گلستاں ہے آجکل
جو پھول ہے وہ شعلہ بداماں ہے آجکل

بھاگتے لمحوں سے اکثر دلِ ناداں میرا
اپنے لوٹے ہوئے خوابوں کا سرا مانگے ہے

جھوٹی روایتوں کا دِیا قصرِ شعر میں
حسّاس اہلِ فن سے جلایا نہ جائے گا

وقت کی ہر چال کو رکھیے نظر کے سامنے
کب بگڑ جائے نہ جانے کون سے پل کا مزاج

ہم بھی اپنے وقت کے اے دوستو نبّاض ہیں
سامنے رہتا ہے ہر ساعت کا ہر پل کا مزاج

سوانحی اشارے

مولانا سید عبدالقادر خنداں

نگینہ ضلع بجنور (یوپی) سے ترک وطن کر کے، کم عمری میں اجمیر آئے۔ تعلیم مکمل کی اور اپنی والدہ[1] کے ساتھ اجمیر ہی میں اپنی عمر عزیز کا بہترین اور کامیاب دور گزارا۔ عربی و فارسی کے مستند اساتذہ میں شمار ہوئے۔ درس و تدریس اور صحافت اور ادب اور سیاست کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دیں —— غالب پریس قائم کیا۔ ان کے اخبار "عادل" ہفت روزہ نے خاصی شہرت پائی اور اجمیر کی اردو صحافت میں ایک مقام بنایا۔ ہمیشہ قوم پرست اور کانگریس کے طرفدار رہے۔ اسی لیے اجمیر کے مسلم لیگی طبقہ کی نظر میں معتوب رہے۔ تقسیم ملک کے بعد وہ بھی مستحق انعام ٹھہرے جن کی خدمات نہ ہونے کے برابر تھیں اور محروم رہے تو مولانا خنداں جیسے لوگ!

صحافت، سیاست اور ادبی خدمت کبھی شعری ذوق و شوق پر حاوی نہیں ہوئی۔ کثیر حلقۂ تلامذہ بنایا اور ہمیشہ اپنے استادِ سخن مولانا خواجہ معنی اجمیری کے نام کو نمایاں کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔ ان کے نہایت سعادت مند اور جاں نثار تلامذہ میں ہیں۔ ان کے ذکر کے وقت آج بھی ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

آزادی ملک کے بعد مستقل طور پر ٹونک منتقل ہو گئے، وہاں رئیس ٹونک نواب اسماعیل علی خاں بہادر تاج کے مشیر سخن ہوئے اور افتخار الشعرا کہلائے۔ راجستھان کے مشہور اہل قلم صاحبزادہ شوکت علی خاں شوکت کے ذریعہ مولانا خنداں کے سلسلۂ سخن کا نام روشن ہے۔

مولانا خنداں، فطری خاموش طبعی اور مرنجاں مرنج زندگی بسر کرنے کی بنا پر ہر ایک سے نباہ کرتے ہوئے، حالات وقت کے ساتھ، ضعیف العمری میں بے یار و مددگار ایسی زندگی گزار رہے ہیں جسے تصوف کی اصطلاح میں "مرنے سے پہلے مر جاؤ" کا نام دیا جاتا ہے۔

مشاق شاعر ہیں، غزل بہ غزل کہنا اور قافیہ پہ قافیہ باندھنا زندگی رہی ہے۔ بہت کہا ہے۔ مگر اوروں کے لیے! اپنے لیے نہیں!! ان کی اپنی "بیاض سخن" کے صفحات زیادہ تر سادہ ہی رہے ہیں۔

---

[1] مولانا خنداں کی والدہ ام کلثوم حزیں بہت قابل تھیں۔ شاعری اور صحافت سے خاص لگاؤ تھا۔ ایک مدرسہ نسواں قائم کیا تھا اور مولانا خواجہ معنی اجمیری کی سرپرستی میں عورتوں کے لیے ایک رسالہ "معین نسواں" جاری کیا تھا۔

مولانا صاحبزادہ سید اعجاز علی اعجاز

دار العلوم دار العمل، فرنگی محل (لکھنؤ) کے سند یافتہ، مگر رنگین طبع، لکھنؤ کی ادب پرور
فضاؤں سے آشنا! اور اجمیر کے شاعرانہ ماحول کے پروردہ!! مولانا خواجہ معنی اجمیری کے عزیز، ان کے
مذاقِ سخن کے آئینہ دار اور تلمیذ۔ شاعری کا ذوق فطری، شروع میں توجہ کم رہی، ہمیشہ کم کہا، مگر سوچ
کر کہا۔ اشعار میں وارداتِ قلب کا اظہار خوب کرتے ہیں۔ تغزل کا خاص رنگ رکھتے ہیں۔ نہایت
رکھ رکھاؤ کے بزرگ شاعر ہیں۔ سنہ ۱۹۵ء سے باضابطہ بساطِ سخن، بچھائے ہوئے ہیں۔ استادِ سخن
ہیں۔ حلقۂ تلامذہ رکھتے ہیں۔ اجمیر سے نکلنے والے بعض اخبارات کو ترتیب دیا اور ان کے لیے برابر
لکھا۔ صحافت پیشہ نہیں ہوئی، ایک لگاؤ کا سبب رہی۔ حضرات خدام خواجہ صاحبؒ کی جماعت کے
ایک معزز خاندان کے ممتاز فرد ہیں۔ کچھ سال پہلے ان کا جشن منایا گیا تھا۔

شفاعت نور خاں افق اجمیری[1]

اجمیر کے قدیم باشندگان کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ اور ان کی شاعری نے
اجمیر کی ان یادگار ادبی فضاؤں میں آنکھ کھولی، جب اجمیر میں شعر و شاعری کا دور انتہائی عروج پر تھا۔
مولانا خواجہ معنی اجمیری کے عزیز ترین بلکہ محبوب ترین تلامذہ سخن میں رہے۔ اپنے برادرِ سخن قابل اجمیری
سے پہلے / بہت پہلے اجمیر کے مشاعروں میں اپنی شاعری ترنم اور وضع قطع کے اعتبار سے جانِ مشاعرہ
قرار پائے۔ اپنے وقت کے نہایت حسین و جمیل، شکیل و رعنا شاعر، ایسے شاعر، جس کی شاعرانہ زندگی
کے چرچے اجمیر کی ادبی محفلوں میں زبان زدِ خاص و عام ہوئے اور نہ صرف اجمیر بلکہ جے پور اور ٹونک
کے زمانۂ قیام میں بھی ہر مقام پر مقبول و محبوب رہے۔ اور اب کراچی (پاکستان) میں نہایت گھٹے
کی شاعرانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ادبی حلقوں میں معزز اور شاعری کے شیدائیوں میں معروف ہیں۔
اخبارات سے وابستگی گزر معاش کا ذریعہ ہے۔ تقسیم ملک کے بہت بعد پاکستان منتقل ہوئے
اور وہاں جانے سے چند سال پہلے اپنی پسند کی شادی کر کے عزیز و اقارب سے اختلاف مول لیا۔
اب جوانی ڈھل چکی ہے اور ضعیفی ان کی عمر کے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ خاصے نڈھال
ہو چکے ہیں۔ دو سال پہلے ایک زمانہ بعد اجمیر آئے تھے۔ میں نے ایک خیر مقدمی نظم کہی تھی۔ ایک
بند دیکھیے:

یہی تو محفلِ شعر و سخن کی رونق تھا — سخن شناس اسی کے رہے تھے دلدادہ
یہی تھا مُلکِ غزل کا حسین شہزادہ — اسی کے قتل پہ فکرِ سخن تھی آمادہ

آج بھی غزل / نظم / رباعی اور قطعے کہنے کا اپنا انداز رکھتے ہیں۔ بہت سے منظوم قلمی چہرے

---

[1] افق اجمیری کے لیے دیکھیے احمد رئیس کا مضمون، مطبوعہ ماہی نالب، کراچی (غالب نمبر) اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۶ء

لکھے ہیں۔ جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت خوب ہیں۔

سید سلطان احمد[1]

اجمیر کے نہایت ہی ذہین اور حاضر دماغ لوگوں میں سے ہیں، اپنی حیثیت کا اعتراف اور اپنی ذات کی شناخت بہت کم عمری میں کرالی تھی۔ ان پر گفتگو کرتے وقت، ان کی طرزِ خطابت، انداز صحافت، سوجھ بوجھ کی عملی سیاست اور اعلیٰ علمی لیاقت اور بے پناہ فطری ادبی صلاحیت، تمام ہی کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ ہندوستان کے ایک نہایت اعلیٰ اور معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر بہت ہی کم عمری میں اجمیر چلے آئے تھے۔ ہمیشہ حالات و وقت کا شکار رہے۔ لیکن حوصلہ کبھی نہیں ہارا۔ شکست کبھی قبول نہیں کی، آزادیٔ ملک کے بعد اجمیر سے بمبئی منتقل ہوئے مگر جلد لوٹ آئے۔ کئی سال مقیم رہے پھر احباب کے مشورے اور میرے مجبور کرنے پر کراچی چلے گئے۔ وہاں بھی کچھ سال قیام رہا۔ اور پھر ملتان کا سفر اختیار کیا اور اب مستقل طور پر وہاں آباد ہو چکے ہیں۔ اپنا گھر بسا چکے ہیں۔

ان کے ہاتھ میں کوئی تعلیمی سند نہیں ہے، مگر ان کا علمی و ادبی کام ان کی لیاقت کو سند کا درجہ دیتا ہے۔ کئی زبانوں پر عبور، نظم و نثر پر قادر۔ لیکن شروع ہی سے بے نیاز، ایک حد تک غیر ذمہ دار۔ کوئی شعری مجموعہ ترتیب نہیں دیا۔ اگر یہ توجہ دیتے تو ان کی شاعری ان کی شناخت کا واضح نشان قرار پاتی۔ اپنی شاعری کو انھوں نے کبھی اہمیت نہیں دی۔ متفرق اشعار اور چند غزلیں میرے یہاں نوٹ ہیں۔

یہ مولانا خواجہ معنی اجمیری کے آخری ایام میں ان کے بہت ہی قریب رہے۔ مولانا کے ذکر کے وقت ان کا اندازِ بیان بہت ہی خاص ہوتا ہے۔ کاش! یہ مولانا خواجہ معنی اجمیری پر کوئی مبسوط مضمون تحریر کریں، کوئی کتاب لکھیں۔ چونکہ ان کا حق بھی ہے اور ان پر فرض بھی ہے۔ قابل اور سلطان ایک دوسرے کے بڑے قدرداں تھے۔ خطوط میں ایک دوسرے کو ہمدم دیرینہ سے مخاطب کرتے تھے۔

آجکل ریڈیو ملتان اور وہاں کی صحافت سے وابستہ ہیں اور نہایت ہی اطمینان بخش زندگی گزار رہے ہیں۔

سید امتیاز علی خورشید اجمیری

اجمیر کے مقبول مترنم شاعر، جانِ مشاعرہ، بچپن ہی سے نامور شعرائے اجمیر کی صحبتوں سے

---

[1] سلطان اجمیری کے لیے دیکھیے میرا مضمون ''عہدِ حاضر کے شعرائے اجمیر'' مطبوعہ ''نخلستان'' ادے پور اپریل تا جون ۱۹۷۰ء (راجستھان نمبر)

فیض یاب، دہلی جائے پیدائش مگر نشوونما اجمیر میں ہوئی۔ اجمیر کے مشہور استادِ سخن خاک اجمیری کے منظورِ نظر رہے اور آزادیٔ وطن کے بعد بزمِ معنیؔ کی رونق ٹھہرے۔
ہنرمند ہیں۔ محنت سے روزی کماتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں ہیں، مگر بے حد مہذب اور مؤدب ہیں۔ پچھلی اعلیٰ قدروں کے امانت دار، خوش لباس، قدیم رنگِ سخن کے پیرو، شعر کہنے سے زیادہ شعر پڑھنے کے ماہر۔ اسی لیے جو کچھ انھوں نے سنایا اس نے درجۂ قبولیت حاصل کیا۔ مشاعروں میں برابر ان سے ان کے کلام کی فرمائش ہوتی رہتی ہے۔ عہدِ شباب گزار چکے، اب عمر کی اس منزل میں ہیں، جہاں سے ضعیفی کی سرحد شروع ہوتی ہے۔

موھن سروپ سیرتؔ اجمیری

امین آباد (پاکستان) جائے پیدائش، لیکن وطنی نسبت اجمیر کے ساتھ دینے میں انھیں خوشی ہی نہیں طمانیت بھی ہے۔ لاہور میں زندگی کے یادگار دن گزارے، وہاں کی ادبی صحبتوں میں شریک رہے سلسلۂ روزگار آزادیٔ وطن سے بہت پہلے ہی ہندوستان لے آیا۔ یہاں شمال و جنوب کے شہروں کی سیاحی مقدر ٹھہری، گھوم پھر کر اجمیر آگئے۔ برسوں سے مقیم ہیں۔ یہاں ہی محکمۂ پوسٹ آفس سے وظیفہ پر سبکدوش ہوئے۔ دوست دار، مخلص نواز اور اردو کے شیدائی ہیں، اوائلِ عمری سے شعر کہتے ہیں۔ قدیم رنگ سے جدید رنگ کو اختیار کر کے اس بات کا ثبوت دیا کہ شاعر زندہ ہے، مزاحیہ اشعار بھی بہت اچھے کہے ہیں مگر اپنی شاعری کے اس رنگ کی ان کے یہاں اہمیت نہیں ہے۔ سرخ و سپید رنگت کے بلند قامت پنجابی ہیں۔ پنجاب کی زندہ دلی ان کی فطرت کا حصہ ہے۔ ایک من موجی لاابالی مست قلندر انسان ہیں۔ تحت میں شعر پڑھنے کا انداز ایسا ہے کہ مشاعرہ لوٹ لیتے ہیں۔

سیّد فضل المتین

مولانا خواجہ معنیؔ اجمیری کا حقیقی برادر زادہ ہوں، علمی و ادبی ماحول کا پروردہ ہوں، نظم و نثر میں خامہ فرسائی زندگی ہے، علم و ادب کی خدمت کا یہ ذوق و شوق فطری بھی ہے اور ورا ثتاً بھی ملا ہے۔ ۱۹۷۳ء میں راجستھان ساہتیہ اکادمی (اودے پور) نے مجموعۂ کلام[1] کے نام سے شائع کیا۔ کلام کے شروع میں اپنی ذات اور اپنی شاعری کی بابت چند باتیں لکھتے ہوئے میں نے لکھا تھا:

... "اگر میں مختصر الفاظ میں کچھ کہنا چاہوں! تو کہوں گا!!
شاعری ـــــــ میرے لیے نہ شوق ہے نہ مشغلہ اور نہ پیشہ! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں جب کچھ کہنا چاہتا ہوں، یعنی کہنے پر مجبور ہوتا ہوں تو اظہار کر بیٹھتا ہوں اور اکثر میرا یہ اظہار ایک طویل عرصہ کے جمود، سکوت، سکون اور ہیجان کے بعد ہوتا ہے۔"

---

[1] ساہتیہ اکادمی کی مطبوعات میں یہ اردو رسم الخط کی پہلی کتاب ہے۔

دُوسرا مجموعہ زیرِ ترتیب ہے ۔ معیاری ادبی رسائل و اخبارات کے لیے برابر لکھتا رہتا ہوں ———
'بارگاہ'، 'نخلستان'، اور دیگر اخبارات و رسائل کا مدیر رہا ہوں ۔ بعض کتابیں زیرِ ترتیب ہیں اور بعض
اشاعت کی منتظر ہیں ۔

جمیل قریشی

اتر پردیش کی پیدائش، شاعری کا شوق بچپن سے، سلسلۂ ملازمت میں اجمیر آنا ہوا یہاں کے
قیام اور ادبی صحبتوں کی شرکت نے باضابطہ شاعر بنا دیا، یہیں تلمذ اختیار کیا اور جم کر شاعری شروع کی،
اجمیر میں ممتاز راشد سے بہت قریب رہے اور یہی قربت مجھ سے روشناسی کا بھی ذریعہ ہوئی ۔
فطرتاً رومان پسند واقع ہوئے ہیں اور ان کی رومانی شاعری کا انداز اور اسلوب بہت ہی پیارا ہے
مگر دانستہ اسے ترک کرکے، جدید شعری تقاضوں کے نام پر آورد کو آمد پر ترجیح دی ہے اور اب فارسی
تراکیب سے اپنی شاعری کو ایک اور نئی سمت و رفتار دینے میں کوشاں ہیں ۔ کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ
وقت کرے گا ۔ فخرالدین علی احمد میموریل کی مالی امداد سے اپنے مجموعۂ کلام طاؤس رنگ کی اشاعت میں
لگے ہوئے ہیں ۔ ان دنوں اودے پور میں مقیم ہیں ۔ معیاری ادبی رسائل میں برابر کلام شائع ہوتا رہتا ہے ۔

احمد رئیس

میرے عزیز قریب اور حبیبِ لبیب، مولانا خواجہ معنی اجمیری کے حقیقی خواہر زادے اور مولانا
اعجاز اجمیری کے فرزند دوم، اعلیٰ تعلیم یافتہ، نستعلیق جوانِ رعنا، شہرت اور مقبولیت کے متلاشی
ادب کا ذوق و شوق فطری، علی گڑھ کی تعلیم اور قیام نے اور جلا بخشی ۔ جدید شعرا کی دوستی اور تعلق
کام آتا رہا ۔ ادب سے لگاؤ بڑھتا گیا ۔ ہند و پاک کے معیاری اور غیر معیاری اخبارات میں ان کی
تحریریں برابر شائع ہوتی رہتی ہیں ۔ معروف اہلِ قلم ہیں ۔ ندرت اور جدت کے ہمیشہ جویا رہے ہیں ۔ کلام
میں وہ انفرادیت ابھی نمایاں نہیں کرسکے ہیں جو شناخت کا ذریعہ ہوتی ہے ۔ یہ اگر اپنے مخصوص
غنائی لہجہ اور دل میں اتر جانے والے اسلوب پر قناعت کریں تو کامیابی ان کے ضرور قدم لے گی ۔ راہ کا
تعین ہوجائے تو منزل آہی جاتی ہے ۔
چند سال پہلے بلا سبب ترکِ وطن کرکے پاکستان چلے گئے ۔ لیکن اجمیر کو آج تک نہیں بھول سکے
ہیں ۔ بسلسلۂ روزگار کراچی میں مقیم ہیں مگر قلمی کام بھی برابر جاری ہے ۔ میں نے احمد رئیس اور ممتاز
راشد کے لیے بڑے اعتماد سے کہا تھا :

نظر ہے ان پہ جو شمس و قمر بنیں گے کبھی — خیال کیا کریں ان کا جو ڈھلتے سائے ہیں

ممتاز راشد

شمالی اتر پردیش کے ایک غیر معروف قصبہ میں پیدا ہوئے ۔ بچپن اجمیر میں گزارا یہیں تعلیم حاصل

کی۔ شاعری کا آغاز بھی یہیں ہوا اور تلمذ بھی یہیں اختیار کیا۔ احمد رئیس کی دوستی میرے بہت قریب لے آئی، شب و روز کا ساتھ رہا۔ شروع ہی سے کچھ کر گزرنے کا حوصلہ اور بچپن ہی سے شاعری سے فطری لگاؤ رہا اور ادبی کتب و رسائل کے مطالعے نے ذہنی صلاحیتوں کو وسعت دی اور زندگی بخشی ——— ہوش مندی کی لگام ہمیشہ ہاتھ میں رہی، اس لیے حالات سے نباہ کرنا، راہ بنانا، نمایاں رکھنا بخوبی آگیا۔ شعر گوئی کے سلسلہ میں غزل کے دائرہ سے باہر قدم نہیں رکھا اسی لیے غزل میں جلد ہی اپنا اسلوب پیدا کرلیا۔ اپنی کاٹ اور اپنے لہجہ کے باعث مقبولیت اور شہرت حاصل کی۔ اور آج پنکج اُدھاس اور دیگر غزل گانے والوں کے ذریعہ ممتاز راشد کے اشعار ہر اس محفل میں سُنے جاتے ہیں، جہاں غزل گائی جاتی ہے۔ مغنیوں اور موسیقاروں کا ہمیشہ ساتھ رہا ہے، نغمہ بار ماحول میں زندگی گزاری ہے۔ اسی لیے غزل کہنے کے ساتھ غزل پڑھنے کا گُر بھی خوب آتا ہے۔ مقتدر ادبی رسائل میں اشاعت کے ساتھ کامیاب مشاعروں میں شرکت بھی شہرت و مقبولیت کا سبب ہے اور آج راشد اپنے معاصرین میں ممتاز ہے۔

۱۹۷۸ء میں پہلا مجموعہ "بھیگا ہوا کاغذ" منظر عام پر آیا اور دادِ سخن کا مستحق ٹھہرا۔ ۱۹۶۶ء سے بمبئی میں قیام ہے، منزلِ مراد قریب ہے، راہ کا تعین پہلے ہی کرلیا تھا اس لیے سفر آسان ہے۔

ڈاکٹر منان راہی چشتی

شاعر اور خطیب، شاعری فطری لگاؤ کے سبب اور خطابت اہل بیت اطہار سے عقیدت کے باعث: اجمیر کے ایک مرحوم شاعر سید سرفراز علی راز کے عزیز ہیں۔ ممتاز راشد اور احمد رئیس کے ہم عمر ہیں لیکن ان کے بعد کے شعرائے اجمیر کی صفِ اوّل کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اجمیر میں ان سے عرشی اجمیری اور ساغر اجمیری کی روایت برقرار ہے۔ اور آج اجمیر میں اس ادبی سرگرمی کا ایک دوسرا نام منان راہی بھی ہے۔

اگر یہ معیاری ادبی رسائل اور کتب سے رشتہ استوار کرلیں تو ان کی شاعری میں نکھار آسکتا ہے۔ اور آج کی شاعری کا معیار پیدا ہوسکتا ہے۔

احتشام اختر

نمکین رنگت، تیکھے نقوش کے دھان پان، زود رنج اور حساس انسان، بچپن ہی سے مطالعہ کا شوق اور شعر و ادب کا ذوق۔ علی گڑھ کی تعلیم اور قیام نے اور وہاں کے شعرا کی دوستی نے راہ دکھائی اور اجمیر کے سیرت اجمیری، ممتاز راشد اور رام لال ندیم کی قربت بھی کام آئی۔ ادب اور زندگی لازم و ملزوم ہوگئے۔ پابند شاعری کے ساتھ آزاد اور نثری شاعری کے بھی دلدادہ ہیں، بلکہ نثری شاعری پر ان کی توجہ زیادہ ہے۔ حالانکہ ان کے کلام پر قدیم رنگِ سخن کی گرفت خاصی مضبوط ہے۔ اگر یہ قدیم و جدید کے درمیان توازن برقرار رکھ سکے تو اپنے لیے ایک

راہ پیدا کرلیں گے۔ دو مجموعے 'راکھ' اور 'نیلا آکاش' طبع کرا چکے ہیں۔
یہ اجمیر کے تعلیم یافتہ اور ذہین شعرا میں سے ہیں۔ قیام اجمیر کے وقت مجھ سے بہت قریبی ربط ضبط رہا ہے۔ آج کل کوٹہ کے کالج میں شعبۂ اردو سے وابستہ ہیں۔

مُیکش اجمیری

اجمیر کے مشہور استادِ سخن ساغر اجمیری کے فرزند اور جانشین سخن، مگر ان کے اندازِ سخن کو نظر انداز کر کے اپنا الگ سے انداز پیدا کیا۔ معیاری ادبی رسائل و کتب کے مطالعے، شعرا کی دوستی اور مشاعروں کی شرکت کام آتی رہی، جدید لب و لہجہ سے آشنائی حاصل ہوئی اور نئے انداز کے شعر کہنے کا سلیقہ آگیا۔ اجمیر کے شعرا میں اپنی حیثیت کا احساس رکھتے ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، اچھے عہدہ پر فائز ہیں۔ بیماہیڑہ میں مقیم ہیں۔ اپنے والد کا انتخابِ کلام 'ساغر کدہ' ترتیب دے کر طبع کرا چکے ہیں۔ اپنا مجموعہ بھی ترتیب دیا ہے۔ نہایت سعادت مند اور خلیق ہیں۔ ادب کی خدمت گزاری کا جذبہ ورثہ میں پایا ہے۔ اکثر اجمیر آتے رہتے ہیں۔ میں عزیز رکھتا ہوں۔

رام لال ندیم

آج کے نئے شاعر، غزل کہنے اور پڑھنے کا ایک خاص انداز، مشاعروں میں نہایت کامیاب، اردو دوست بلکہ شیدائی، شاعری کا ذوق و شوق اردو سے قریب لایا۔ کتب بینی کا چسکہ لگا۔ معیاری رسائل منگوائے۔ ممتاز راشد کی دوستی بھی کارآمد رہی۔ بہت ذمہ داری سے اپنے ادبی فرائض کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں۔ کم سخن ہیں اور کم گو ہیں مگر جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہے۔ کم سخنی اور کم گوئی ہی ان کی کامیابی کی دلیل اور روشن مستقبل کی سبیل ہے۔ اکثر ملتے رہتے ہیں۔

حافظ قمر

شعری نشستوں میں پابندی سے شرکت کرنے والے، زود گو اور مشاق شاعر، روایتی شاعری سے گریزاں، نئی شاعری کے دلدادہ، اگر یہ نئے شعرا کے مجموعوں اور ادبی رسائل کا مطالعہ کریں تو ان کے حق میں بہتر ہو۔

صادق راز

بچپن ہی سے شاعری کے والہ و شیدا، شاعرانہ وضع و قطع سے آراستہ و پیراستہ۔ مطالعہ کا ذوق و شوق پیدا ہو جائے تو ان کی فطری شاعرانہ صلاحیتوں کو جلا مل جائے اور اچھے شعر کہنے کا سلیقہ آجائے۔ کبھی کبھی بہت اچھا شعر کہہ دیتے ہیں۔ عرشی اجمیری کے تلامذہ میں رہے ہیں۔

سید غیاث الدین غیاث

شاعری کے بے حد شوقین، مشاعروں کے حاضر باش اور صادق راز کے خواجہ تاش، بے ضرر انسان مگر بذاتِ خود انتہائی زود رنج ۔ وارداتِ قلب کا اظہار ان کے یہاں جب بھی ہوا، اچھے شعر کہے قدیم رنگِ سخن، بالخصوص تغزل کو اہمیت دیتے ہیں ۔

سید ناظم الدین ناظم

غیاث کے چھوٹے بھائی منان راہی کے تلمیذ غیاث کے بہت بعد شاعری شروع کی ۔ مگر جلد ہی انجمن کے ادبی حلقوں میں معروف ہوگئے ۔ شعر محنت سے کہتے ہیں ۔ ادب کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں ۔ اچھی آواز پائی ہے ۔ مشقِ سخن کا سلسلہ جاری رہا اور ادب کا مطالعہ کرتے رہے تو ان کی شاعری میں نکھار ضرور آئے گا ۔

سید احمد حسین احمد

محنت سے، لگن سے شعر کہنے کے عادی ہیں ۔ شاعری کے سلسلے میں سنجیدہ ہیں ۔ شعر گوئی کی موجودہ روش برقرار رہی تو اپنے معاصرین میں نمایاں ہو جائیں گے ۔

حواشی

مقدمہ

۱۔ دیکھیے مولانا خواجہ معنی اجمیری رح کا مضمون "خواجہ غریب نواز شاعر کے لباس میں" مطبوعہ اخبار آستانہ اجمیر اور ماہنامہ بارگاہ اجمیر، مارچ / اپریل ۱۹۶۱ء

۲۔ دیکھیے مولانا خواجہ معنی اجمیری رح۔ حافظ محمود شیرانی اور عبدالرحمن ٹار وغیرہ کے مضامین۔

۳۔ دیکھیے میرا مقالہ 'سلطان التارکین' ناشر بزم سلطان التارکین' حیدرآباد۔

۴۔ تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۱۵۰ (پہلی اشاعت)

۵۔ سرورالصدور صفحہ ۱۰ (قلمی)۔

۶۔ سیرالاولیا، صفحہ ۱۸۳۔

۷۔ کتاب 'ہمارے خواجہ' صفحات ۹۹ - ۱۰۰ (نویں اشاعت)

۸۔ خطبۂ صدارت، مولانا خواجہ معنی اجمیری رح مطبوعہ بعنوان 'اردو اور اجمیر' ماہنامہ 'شاعر' (آگرہ) اپریل ۱۹۴۵ء۔

۹۔ از بیاض یادداشت مولانا خواجہ معنی اجمیری رح برائے تذکرہ شعرائے اجمیر اس تذکرہ کی ترتیب اور تدوین کا کام میں انجام دے رہا ہوں۔

۱۰۔ ہوشیار / بیمار کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'مرادعلی ہوشیار / بیمار، مطبوعہ 'ہماری زبان' ۲۲ فروری ۱۹۶۳ء۔

۱۱۔ کلیم۔ کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'غالب کے ایک شاگرد: شیخ عبدالصمد کلیم' مطبوعہ 'اردو ادب' شمارہ ۳، ۱۹۶۳ء۔ اور میرا ہی مضمون 'شاگرد غالب: شیخ عبدالصمد کلیم' مطبوعہ 'ہماری زبان' یکم ستمبر ۱۹۶۶ء۔

۱۲۔ اثر کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'غالب کے ایک صاحب دیوان شاگرد: امام الدین اثر' مطبوعہ 'اردو ادب' شمارہ ۱، ۱۹۶۴ء۔ ان تینوں شعرا کے لیے 'خم خانۂ جاوید' اور 'تلامذۂ غالب' بھی دیکھی جائے۔

۱۳۔ مطلب، کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'داغ کے شاگرد: نواب عبداللہ خاں مطلب اجمیری' مطبوعہ 'ہماری زبان' یکم مارچ ۱۹۶۵ء۔

۱۴۔ خاک کے لیے دیکھیے 'تذکرہ شعرائے اردو' حیدرآباد۔ (پاکستان)

۱۵؎ خاک اور سیماب کے لیے دیکھیے 'سیماب اکبرآبادی'، مطبوعہ 'اردو ادب' شمارہ ۲ ۱۹۶۷ء
اور مضمون 'سیماب اکبرآبادی اور داغ دہلوی'، مطبوعہ 'ہماری زبان'، ۸ مارچ ۱۹۶۶ء۔

۱۶؎ معینی کے لیے دیکھیے 'سوانح معینی'، مصنفہ مولنا خواجہ معینی اجمیری۔

۱۷؎ خواجہ سید عبدالمعبود معینی کا پہلے ابر تخلص تھا۔

۱۸؎ چشتی سے مراد غلام چشتی ابن حقانی بخش قوال درگاہ شریف ہے۔

۱۹؎ دیدہ، یعنی چشم، بے چلہ یعنی بلا میم (جس کے چالیس اعداد ہیں) پیکان۔ یعنی تیر دو صد آہو فگند
یعنی بحذف را (جس کے دو سو اعداد ہیں) از قلمی بیاض برائے کلام معینی از قلم مولنا خواجہ معینی اجمیری

۲۰؎ مہر علی سے مراد حضرت پیر مہر علی شاہ (گولڑہ شریف۔ پاکستان)

۲۱؎ یہ شعر مولنا جامی کا ہے۔ مولنا جامی نے سید ناعلی کے نام نامی کا معمہ فرمایا تھا۔
اس شعر کی تضمین کرکے پیر صاحب (گولڑہ) کے نام کا معمہ بنایا۔ از قلمی بیاض برائے کلام معینی از قلم
مولنا خواجہ معینی اجمیری۔

۲۲؎ اس 'واسوخت' کو حضرت معینی نے اس وقت تحریر کیا ہے۔ جب وہ ابر تخلص کرتے تھے اور ان کی
عمر سترہ سال کی تھی۔ شاعری اپنے ابتدائی دور سے گزر رہی تھی۔ صنعت توشیح کے قاعدے سے
اس 'واسوخت'، کے تینوں اولی مصرعوں کے پہلے حروف ملانے سے ابر اور ثانی مصرعوں کے پہلے
حروف کو ملانے سے 'برق' کا لفظ بنتا ہے۔ از قلم مولنا خواجہ معینی اجمیری قلمی بیاض۔

۲۳؎ قابل اجمیری نے اسی شعر سے اس طرح استفادہ کیا:

پھر کوئی کم بخت کشتی نذر طوفاں ہوگئی ورنہ ساحل پر اداسی اس قدر ہوتی نہیں

اور میرا شعر ہے: ساحل پہ خاموشی کیسی کوئی سفینہ ڈوبا ہوگا

مولنا خواجہ معینی اجمیری کی شاعری نے شعرائے اجمیر پر کیا اثرات مرتب کیے۔ کس طرح چراغ سے چراغ جلے
اس پر تفصیل سے کبھی روشنی ڈالوں گا۔

۲۴؎ مطبوعہ 'کیف'، جولائی ۱۹۲۶ء۔

۲۵؎ مطبوعہ 'پیمانہ'، جولائی ۱۹۲ء۔

۲۶؎ مطبوعہ 'پیمانہ'۔ 'بہارستان'، اور 'کیف'

۲۷؎ بہ 'معمے' ــــــ عالم فخری صاحب کے نام ہیں۔ جو مولنا معینی اجمیری کو بے حد عزیز رہے ہیں۔

۲۸؎ دُرِ شہوار، ولی عہد دکن کی شریک حیات کا نام۔

۲۹؎ مولنا خواجہ معینی اجمیری کا یہ مکتوب فلسفۂ موت و حیات اور تلقین صبر و رضا کے اعتبار سے ان کے اہم
مکتوبات میں سے ہے۔ سید فضل ابناری راقم الحروف کے والد تھے۔

۳۰؎ مطبوعہ ماہنامہ 'سرد شں'، لاہور مئی ۱۹۳۱ء۔ رئیسی اس رسالہ کے مدیر اعزازی بھی تھے۔

۳۱؎ مطبوعہ ماہنامہ 'سرد شں' لاہور جون ۱۹۳۱ء

۳۲؎ مطبوعہ ماہنامہ 'سرد شں'، لاہور ۱۹۳۱ء۔

۳۳۔ 'پیغام سروش' (اداریہ) سالنامہ 'سروش' لاہور ۱۹۳۱ء۔

۳۴۔ نگار نامہ مطبوعہ جنوری ۱۹۴۳ء۔

۳۵۔ مکتوب فضائی ٹونکی بنام ساغر نظامی مطبوعہ نگار نامہ جنوری ۱۹۴۳ء

۳۶۔ مقدمہ ــــ 'دیدۂ بیدار' (پہلی اشاعت) ۱۹۶۳ء

۳۷۔ مقدمہ ــــ 'دیدۂ بیدار'

حواشی: قابلِ ذکر شعرائے اجمیر

۱ ــــ آتش۔ اجمیر، بمبئی، احمد آباد، دہلی اور بریلی کے چند اخبارات کے ناشر اور مدیر رہے۔ جہانسی اور رامپور کے رسائل کے معاون خصوصی ہوئے۔ بمبئی میں ایک عرصہ تک مقیم رہ کر ادبی خدمات انجام دیں اور شہرت پائی، ایک وسیع حلقۂ تلامذہ پیدا کیا اور ایک دواخانہ چلایا۔ انتقال اجمیر میں ہوا۔

۲ ــــ اختر کے لیے میرا مضمون شاگردِ ظہیر: منشی رمضان علی اختر، مطبوعہ 'ہماری زبان' ۱۵ اپریل ۱۹۶۷ء دیکھیے۔

۳ ــــ اختر۔ انیق اجمیری کے بڑے بھائی ہیں۔ تذکرہ شعرائے اجمیر شریف نامی کتابچے میں ان کے کسی قدر حالات دیکھے جا سکتے ہیں۔

۴ ــــ بسمل۔ مشہور شاعر مضطر خیر آبادی کے بڑے بھائی ہیں۔ ان کے لیے میرا مضمون بسمل خیر آبادی تلمیذ امیر مینائی مطبوعہ 'ہماری زبان' یکم مارچ ۱۹۶۶ء اور 'معاصر' ۲/ ۱۲۵ اور نادم سیتاپوری کی تحریر غالب نام آورم۔ ماہنامہ 'آجکل' جون ۱۹۸۲ء اور خیر آباد (اودھ) کے فارسی شعرا کا تذکرہ اور خم خانۂ جاوید بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

۵ ــــ بستاش کے لیے ان کی تالیف 'تذکرہ آثار شعرائے ہنود' تذکرہ 'خم خانۂ جاوید' ــــ کل راجستھان اردو سمپوزیم و کل ہند مشاعرہ کی روداد مطبوعہ ۱۹۶۴ء اور تذکرہ بہار سخن دیکھیے۔

۶ ــــ بہار۔ خاصی زندگی اجمیر میں گزاری، تقسیم ملک کے ساتھ ہی پاکستان منتقل ہو گئے۔ کراچی میں انتقال کیا۔ نظم و نثر میں بہت کچھ لکھا۔ بہت سی تحریریں اخبارات و رسائل میں شائع ہوئیں۔

۷ ــــ بہا کے لیے میرا مضمون 'داغ کے شاگرد: حکیم بہا الدین بہا اجمیری مطبوعہ ہماری زبان ۸ جولائی ۱۹۶۱ء اور لیاقت علی خاں کا مراسلہ حکیم بہا الدین بہا اجمیری مطبوعہ ہماری زبان ــــ ۱ اگست ۱۹۶۶ء۔ تذکرہ ضیغم۔ خم خانۂ جاوید اور بہار سخن دیکھیے۔

۸ ــــ بہجت کے لیے تذکرہ آثار شعرائے ہنود اور خم خانۂ جاوید دیکھیے۔

۹ ــــ بیتاب، مشہور دار العلوم معینیہ عثمانیہ۔ اجمیر کے مدرس اور مفتی تھے۔ عالم دین، مقرر اور شاعر تھے۔ صاحب تصنیف و تالیف ہوئے۔ مولانا خواجہ معنی اجمیری کے یہاں حاضر باش رہتے۔ پستہ قد، سرخ و سپید رنگت کے ایک پرکشش بزرگ تھے۔

۱۰ ــــ بے چین کے لیے میرا مضمون 'داغ کے تین شاگرد: رحیم، حیران، بے چین' مطبوعہ

'ہماری زبان' ۸ر دسمبر ۱۹۶۶ء دیکھیے۔

۱۱—— بیدل کے لیے دیکھیے 'بہارِ سخن' اور 'تذکرۂ شعرائے جے پور'۔ تذکرۂ شعرائے جے پور میں بلا حوالہ و ماخذ ان کو تلمیذ بہار لکھا گیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ دیکھیے میرا مراسلہ، مطبوعہ 'ہماری زبان' ۲۲ر مئی ۱۹۶۳ء۔

۱۲—— تاج پر گو شاعر تھے، سراج اجمیری کے شاگرد تھے۔ ۱۹۰۸ء میں گلدستۂ تاج۔ گلزار خواجہ مناقب خواجہ غریب نوازؒ کا مجموعہ شائع ہوا۔

۱۳—— حرمان کے لیے میرا مراسلہ حرمان تلمیذ درد مطبوعہ ہماری زبان، یکم اکتوبر ۱۹۶۶ء دیکھیے۔

۱۴—— حیران کے لیے میرا مضمون 'داغ کے تین شاگرد: رحیم، حیران، بے چین'، مطبوعہ ہماری زبان ۸ر دسمبر ۱۹۶۶ء دیکھیے۔

۱۵—— خادم صاحب تصنیف و تالیف ہوئے۔ مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ ترکِ وطن کر کے اجمیر آ گئے تھے۔ انتقال آگرہ میں ہوا۔ مدفون اجمیر میں ہوئے۔

۱۶—— خلش کے لیے میرا مضمون 'شاگردِ مومن: میر کرامت علی خلش اجمیری'، مطبوعہ 'ہماری زبان' ۸ر مئی ۱۹۶۷ء اور خم خانۂ جاوید دیکھیے۔

۱۷—— دوست۔ نظم و نثر میں آپ کے کئی رسالے اور تصانیف ہیں۔ عالم دین تھے اور جماعت خدام خواجہؒ کے سربرآوردہ شخص ہوئے ہیں۔

۱۸—— راحت۔ اجمیر کے خاندانِ پیرزادگان سے تھے۔

۱۹—— رحیم کے لیے میرا مضمون 'داغ کے تین شاگرد: رحیم، حیران، بے چین'، مطبوعہ ہماری زبان ۸ر دسمبر ۱۹۶۶ء دیکھیے۔

۲۰—— رضوی۔ اجمیر کے قدیم باشندگان میں سے تھے۔ درگاہ بازار میں ان کے اسلاف کی قدیم اور مشہور کتابوں کی دکان تھی۔ خطیب، ادیب، صحافی اور شاعر اور سماجی کارکن تھے۔ بہت ہی خوبصورت باتصویر ایک ہفت روزہ 'مناد' جاری کیا تھا۔ اجمیر کی مشہور اشتہاری جنگ میں مولانا خواجہ معنی اجمیری کے رفیق و معاون تھے۔ تقسیم ملک کے ساتھ ہی پاکستان منتقل ہو گئے۔ اور وہیں انتقال کیا۔ مولانا خواجہ معنی اجمیری نے تاریخِ وفات کہی:

تین ذی الحجہ سولہ ستمبر تھی شنبہ کی سحر
دونوں سنہ اک ساتھ معنی نے کہے اک آہ سے
جب ہوئے الیاس رضوی راہیِ دارالبقا
مرحبا الیاس رضوی اہلِ جنت نے کہا

۲۱—— ساغر، مشہور استادِ سخن، مشاق شاعر، ان کا مجموعہ، ان کے لڑکے میکش اجمیری نے ترتیب دیا اور شائع کرایا۔ ان کے لیے دیکھیے ماہنامہ 'شانِ ہند' دہلی کا راجستھان نمبر۔

۲۲—— ساکت کے لیے دیکھیے 'نخبۃ التواریخ'۔

۲۳—— سخا۔ اپنے وقت کے کامیاب اہلِ قلم ہوئے۔ صاحبِ تصنیف و تالیف گزرے۔ ان کے لیے تذکرہ

شعرائے جے پور" اور ڈاکٹر ثمینہ شوکت کا مضمون مطبوعہ 'ہماری زبان' یکم اپریل ۱۹۶۱ء دیکھا جائے۔

۲۴ ــــ سَعد کے لیے دیکھیے تذکرہ آثار شعرائے ہنود۔

۲۵ ــــ سَیف، نہایت زود گو اور مشاق شاعر تھے، قلم برداشتہ مضامین لکھنے کا ملکہ تھا۔ کامیاب صحافی رہے۔ نظم و نثر کے مجموعے شائع ہوئے۔ ہندوستان کے مختلف شہروں سے شائع ہونے والے اخبارات میں کام کیا۔ رسائل میں برابر تحریریں شائع ہوتی رہیں۔ 'افکار سیف' میں ان کے حالات دیکھے جا سکتے ہیں۔

۲۶ ــــ شادانؔ ۔ اجمیر کے مشہور رئیس، تاجر اور علم دوست خاندان کے چشم و چراغ۔ اجمیر کے نوجوان شعرا میں سب سے پہلے ان کا مجموعہ "بادۂ ناخوردہ" شائع ہوا۔

۲۷ ــــ شرفؔ کے لیے دیکھیے میرا مضمون "داغ کے شاگرد: شرف گلشن آبادی" مطبوعہ ہماری زبان یکم مارچ ۱۹۶۵ء۔

۲۸ ــــ شمیمؔ کے لیے دیکھیے تذکرہ آثار شعرائے ہنود۔

۲۹ ــــ صوفیؔ کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'قادر الکلام صوفی اجمیری' مطبوعہ ماہنامہ 'شعلہ و شبنم' دہلی، اکتوبر ۱۹۶۱ء۔

۳۰ ــــ ضبطؔ کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'داغ کے دو شاگرد: ضبط، نادر' مطبوعہ ہماری زبان ۸ فروری ۱۹۶۷ء۔

۳۱ ــــ طالبؔ کے لیے میرا مراسلہ مطبوعہ 'ہماری زبان' ۸ اکتوبر ۱۹۶۳ء اور مراسلہ نثار احمد فاروقی مطبوعہ ہماری زبان ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۳ء۔ ماہنامہ شاعر، آگرہ نمبر اور تلامذۂ غالب دیکھیے۔

۳۲ ــــ طالبؔ کے لیے دیکھیے 'تذکرہ شعرائے اردو، حیدرآباد' (پاکستان)

۳۳ ــــ عابدؔ ۔ معینی اجمیری کے عم محترم۔ پیرزادہ منک مالوہ۔ میلاد خواں اور صاحب تصنیف بزرگ اور جماعت خدام خواجہؒ کے ایک معزز فرد۔

۳۴ ــــ عاجزؔ۔ اجمیر کے قدیم باشندگان میں سے تھے۔ گورنمنٹ کالج اجمیر میں شعبۂ تاریخ کے مشہور پروفیسر رہے۔

۳۵ ــــ عارفؔ ۔ بدایوں کے رہنے والے تھے۔ ترکِ وطن کر کے اجمیر آگئے تھے۔ درگاہ شریف میں ملازم تھے۔ فارسی کے بھی پُرگو شاعر تھے۔

۳۶ ــــ عاشقؔ کے لیے 'بیان الحقائق'، 'خم خانۂ جاوید'، 'نگارستانِ سخن' اور 'تلامذۂ غالب' دیکھیے۔

۳۷ ــــ عاشقؔ ۔ مشہور گلدستۂ سخن 'پیام یار' کے ذریعہ یہ علم ہوتا ہے کہ اجمیر میں مقیم تھے۔

۳۸ ــــ عاشقؔ نواب آف بھوراج۔ صاحب دیوان شاعر۔

۳۹ ــــ عرشیؔ ۔ ان کے لیے دیکھیے تذکرہ شعرائے جے پور۔ گورنمنٹ کالج اجمیر میں شعبۂ فارسی کے پروفیسر رہے اور بڑا نام کمایا۔ مولانا خواجہ معینی اجمیری سے بہت قریب رہے۔

۴۰ ــــ عرشیؔ ۔ مشہور استادِ سخن، نہایت مشاق اور بے حد زود گو شاعر۔ صاحب تصنیف و تالیف ہوئے۔

اخبارات کے مدیر اور ناشر رہے۔ بمبئی میں رہ کر فلمی گیت لکھے۔ سہرے اور سحریاں لکھنے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ عوام میں بے حد مقبول اور عوامی شاعر۔ حال حال کے شعرائے اجمیر میں خاصی شہرت پائی تھی۔ اجمیر میں ماہِ رمضان ہمیشہ ان کی یاد دلائے گا۔ خواجہ معنی اجمیری کے بے حد قریب اور ان کے یہاں کے حاضر باش رہے۔ اس نسبت اور تعلق پر ہمیشہ فخر کرتے تھے۔ ان پر محمد عثمان عارف گورنر اتر پردیش کا مضمون مطبوعہ نخلستان دیکھیے۔

۴۱ــــ فضائی۔ خطیب۔ ادیب۔ شاعر، صحافی، اجمیر کے مشہور ماہنامہ 'کیف' سے بھی وابستہ رہے۔ نواب ٹونک کے عتاب کا شکار ہو کر اجمیر چلے آئے تھے۔ اور معینیہ اسلامیہ ہائی اسکول کے شعبۂ دینیات سے منسلک ہو گئے تھے۔ انتقال ٹونک میں ہوا۔ پستہ قد، جھجک رو، منحنی انسان تھے۔ بہت باریک آواز تھی۔

۴۲ــــ فرحتیؔ۔ محمد اقبال حسین عاشق تلمیذِ غالب کے والد تھے۔ ان کے لیے دیکھیے 'تلامذۂ غالب'۔

۴۳ــــ کامل۔ سید زین العابدین عابد کے بڑے صاحبزادے معینی اجمیری کے برادر عم زاد۔ شاعر، افسانہ نگار، میلاد خواں، مرثیہ خواں، بڑی پیاری اور متاثر کن درد انگیز آواز پائی تھی۔ اجمیر میں ماہ محرم کا مہینہ ہمیشہ ان کی یاد دلاتا ہے۔ ان کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'اجمیر کے مقبولِ عام اور اہلِ زبان شاعر: حضرت کامل اجمیری' مطبوعہ شانِ ہند، دہلی جولائی ۱۹۵۸ء۔

۴۴ــــ مسرورؔ۔ قنوج کے رہنے والے تھے، اجمیر میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ صاحب تصنیف و تالیف ہوئے۔

۴۵ــــ مضطرؔ۔ مشہور شاعر جاں نثار اختر کے والد، بسمل خیرآبادی کے برادرِ خورد، اپنے وقت کے معروف شاعر۔ ان کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'مضطر خیرآبادی' مطبوعہ اردو ادب شمارہ ۲، ۱۹۶۸ء اور مولانا منظور الحسن برکاتی کا مضمون 'مضطر خیرآبادی اور ٹونک' مطبوعہ اخبار 'ایشیا' آگرہ ۱۱ر اگست ۱۹۴۷ء۔ اور جاں نثار اختر کا مراسلہ مطبوعہ 'ہماری زبان' شمارہ ۱۴ر اپریل ۱۹۶۲ء اور عبدالقدوس ہاشمی کا مضمون۔ بزمِ خلیل مطبوعہ آجکل (سالنامہ) اور علی نیازی کا مضمون 'اعتبار الملک حضرت مضطر خیرآبادی مرحوم' مطبوعہ 'کیف' اجمیر، اکتوبر ۱۹۲۷ء۔

۴۶ــــ مفتونؔ۔ بہت ہی مشاق شاعر اور کامیاب صحافی تھے۔ صاحبِ تصنیف و تالیف ہوئے۔ فارسی کے اعلیٰ درجے کے عالم تھے۔ راقم الحروف نے بھی ان سے فارسی پڑھی ہے۔ بہ یک وقت باہمی چشمک رکھنے والے اخبارات میں لکھتے تھے۔ ان کے حالات کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'مولانا مفتون اجمیری' مطبوعہ 'شعلہ و شبنم' (دہلی) جولائی ۱۹۶۶ء۔ تقسیم ملک کے ساتھ ہی پاکستان منتقل ہو گئے۔ کراچی میں گمنامی کی زندگی گزار کر انتقال کیا۔ ان کی وفات پر مولانا خواجہ معنی اجمیری نے جو تاریخی قطعۂ وفات کہا ہے وہ اس مضمون میں پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔

۴۷ــــ ممنونؔ۔ مشہور شاعر ہوئے ہیں۔ ممنون اور اجمیر کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'میر نظام الدین ممنون' مطبوعہ ہماری زبان، ۸ر مارچ ۱۹۶۴ء۔

۴۸ــــ منشؔ۔ اجمیر کے خاندان مودودیہ کے معزز فرد، مدرس بھی رہے۔

۴۹ــــ میرؔ کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'اجمیر کے نثار الملک اور فطرتِ قلم: میر احدی اجمیری' مطبوعہ شانِ ہند (دہلی) مارچ ۱۹۵۹ء ــــ اور اعجاز صدیقی کا اظہارِ تعزیت مطبوعہ شاعر

(آگرہ) اگست ۱۹۴۶ء، شعرائے اجمیر میں شاید ہی کسی کا کلام اس قدر شائع ہوا ہے۔ کئی مجموعے، (کتابچے) شائع کیے اور ملک کے مختلف اخبارات و رسائل میں برابر کلام چھپواتے رہے۔ اپنے وقت میں خاصے مشہور رہے۔

۵۰ — 'نادر' کے لیے دیکھیے میرا مضمون 'داغ کے دو شاگرد: ضبط، نادر' مطبوعہ ہماری زبان ۸ر فروری ۱۹۶۷ء۔